



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اِذْ فَضَّلْنَا الْاَلْفِیْمِ
مِنْ لَعْنَتِهِ
عَسْرَ اَبْعِیْنِکَ بَاکَ مَا حَسُو

رجسٹرڈ اول
نمبر ۸۳

ٹیلیفون
نمبر ۹۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شرح چندہ کی
سالانہ قیمتیں
ششماہی - ۸
سہ ماہی - ۵
بیس روز سالانہ - ۳

لفظ روزنامہ القادیان

Digitized by Khilafat Library Rabwah

THE DAILY
ALFAZUL QADIAN.

تارکاپتہ
لفظ القادیان

جلد ۲۶ ۱۸ بیچ الثانی ۱۳۵۷ ھ یوم جمعہ مطابق ۱۷ جون ۱۹۳۸ء نمبر ۱۳۶

خطبہ

یاہوج اور ماہوج کی حقیقت

دنیا سے اسلام کے خلاف خیالات کو کرنا ہر محمدی اپنی زندگی کا مقصد سمجھے

از حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی اید اللہ تعالیٰ فرمودہ ۱۰ جون ۱۹۳۸ء

316

ہی امید نہ کی جاسکے گی۔ سوائے اس کے کہ وہ بحیثیت جماعت یا انفرادی طور پر اپنے طریق کو چھوڑیں۔ اور اسلام کے اصول کو کلمتہ اختیار کر لیں۔ اس وقت تک گزشتہ زمانہ کو دیکھتے ہوئے عام طور پر ہماری جماعت میں بھی۔ اور پہلی جو جماعتیں اس کی تحقیق میں لگی رہی ہیں۔ ان میں بھی یہ خیال پایا جاتا تھا کہ

ایک گروہ کا ہم سے تعاون ہو جائیگا پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وہم کو دور کرنے اور اس خیال کی تکذیب کرنے کے لئے پھر ان دونوں کا ایک مجموعی نام رکھ دیا۔ اور وہ نام

وجہ

ہے۔ اور اس طرح بتا دیا کہ گویا جوج اور ماہوج دونوں آپس میں مخالف ہوں گے۔ لیکن اسلامی اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے دونوں ہی اس کے مخالف ہونگے۔ اور اسلامی تعلیم کی تائید کی ان دونوں سے

کرتی ہیں۔ یعنی اگر تین طاقتیں دنیا میں ہوں۔ تو دو مخالف طاقتیں ہمیشہ اس سے سمجھوتہ کرنے کی کوشش کرتی ہیں اور ایک ان میں سے چاہتی ہے کہ اس کی ہمدردی ہمیں حاصل ہو۔ اور اس کا تعاون ہمارے ساتھ ہو۔ اور بظاہر انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اگر ایک علیحدہ گروہ ہیں۔ تو مخالف طاقتوں میں سے کسی کی ہمدردی یا تعاون ہمیں حاصل ہو ہی جائے گا۔ اس لئے ہو سکتا تھا۔ کہ مسیح موعود کی جماعت بھی اس وہم میں مبتلا ہو جاتی۔ کہ شاید ان میں سے کسی

سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا: مسیح موعود کے زمانہ کے متعلق قرآن کریم میں یہ خبر دی گئی ہے۔ اور احادیث میں بھی متواتر اور کثرت کے ساتھ بتایا گیا ہے۔ کہ اس وقت دو طاقتیں جو آپس میں ایک دوسرے کی مخالف ہوں گی۔ نظر ہوں گی۔ ان میں سے ایک طاقت کا نام یا جوج رکھا گیا ہے اور دوسری طاقت کا نام ماہوج رکھا گیا ہے۔ اور چونکہ بظاہر دو مخالف طاقتیں تیسری طاقت سے سمجھوتے کی کوشش کیا

یا جوج اور ماہوج درحقیقت دو ملکوں کے نام ہیں۔

لیکن خدا تعالیٰ کی طرف سے جو پیشگوئیاں ہوتی ہیں۔ ان کی پوری حقیقت وقت پر کھلا کرتی ہے۔ اب جو واقعات ظاہر ہو رہے ہیں۔ انہوں نے بتایا ہے کہ یہ دو ملکوں کے نام نہیں بلکہ

دو اصول کے نام

ہیں۔ بے شک ممکن ہے۔ یہ دو اصول خاص دو ملکوں کے ذریعہ زیادہ نمایاں طور پر نظر آتے ہوں۔ مگر حقیقتاً کسی ایک ملک سے تعلق نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ ہومن کل حدیب ینسلون (الانبیاء) یعنی یہ دونوں گروہ دنیا کے ہر مقام پر منتط ہونے کی کوشش کریں گے۔ اور ہر ایک روک جو ان کے راستہ میں آئے گی۔ اس پر چڑھنے اور اس پر غالب آنے کے لئے جدوجہد اور سعی مل میں لائیں گے۔ اور یہ بات اب بالکل نمایاں اور واضح طور پر نظر آگئی ہے۔ چنانچہ واقعات نے ظاہر کر دیا ہے کہ

یا جوج اور یا جوج دو اصول ہیں

جو اس زمانہ میں دنیا پر غالب آنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایک اصل تو وہ ہے جو جمہوریت کو اس کے تمام عیوب بحیثیت دنیا میں ترقی دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ اور دوسرا اصل وہ ہے جو قابلیت اور لیاقت کو ترقی دینا چاہتا ہے۔ اور جمہوریت کی روح کو دبانا چاہتا ہے۔ یہ دو اصول اس وقت دنیا میں ایک دوسرے کے مقابلہ میں غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایک اصل تو اس بات کی جدوجہد میں مشغول ہے۔ کہ افراد کی طاقت کو بڑھا کر دنیا میں غلبہ حاصل کیا جائے۔ اور ایک اصول اس غرض کے لئے کوشاں ہے۔ کہ اعلیٰ قابلیت کو رہنمائی کی باگ ڈور دے کر دنیا پر غلبہ حاصل کیا جائے۔ ان دونوں گروہوں نے دنیا پر کامل طور پر غلبہ حاصل کیا ہوا ہے۔ اور ساری دنیا ان دو گروہوں میں تقسیم

ہو کر رہ گئی ہے۔ اسلام ان دونوں کے خلاف اور ان دونوں سے بالکل الگ ایک درمیانی راہ پیش کرتا ہے۔ وہ انفرادیت کو بھی نظر انداز نہیں کرتا اور چیدہ افراد کی طاقتوں سے کام لینے کو بھی ناپسند نہیں کرتا۔ وہ یہ اجازت بھی نہیں دیتا کہ

افراد کی حریت

کو کھیل دیا جائے۔ اور وہ یہ بھی اجازت نہیں دیتا۔ کہ چیدہ افراد کی قابلیت سے دنیا محروم کر دی جائے۔ غرض اسلامی تعلیم کا دائرہ اپنی وسعت کے ساتھ ان دونوں گروہوں پر حاوی ہے اور وہ دونوں کے درمیان ایک راستہ بتاتا ہے۔ چنانچہ اسلامی حکومت کا دائرہ ان دونوں اصول کے مابین تھا۔ ایک طرف وہ تسلیم کرتا ہے۔ کہ سب انسانوں میں ذہنی مساوات نہیں بعض دماغ زیادہ قابلیت رکھتے ہیں۔ اور بعض کم بعض قربانیاں کر سکتے ہیں اور بعض کم بعض زیادہ سمجھدار ہوتے ہیں اور بعض کم۔ پس قوم کو زیادہ سمجھدار زیادہ عقلمند اور زیادہ فہم و تدبیر رکھنے والوں کی قابلیت سے محروم نہیں کر دینا چاہیے۔ مگر وہ یہ بھی تسلیم کرتا ہے۔ کہ افراد کی مجموعی رائے بھی بڑی طاقت ہوتی ہے۔ اور اس کو نظر انداز کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا جتنا بعض لوگ خیال کرتے ہیں اور نہ اسے نظر انداز کرنا انسانی ترقی کو مد نظر رکھتے ہوئے مناسب ہی ہے۔ پس اسلام کا مقابلہ ان دونوں اصول کے ساتھ ہے وہ ان کے بھی خلاف ہے۔ جو افراد کو اتنا غلبہ دینا چاہتے ہیں۔ کہ چیدہ افراد کی لیاقت اور قابلیت کو دنیا سے مٹا دینا چاہتے ہیں۔ اور وہ اس کے بھی مخالفت ہے کہ چند لائق افراد کے ہاتھ میں دنیا اس طرح دے دی جائے۔ کہ قوم کی اشریت کی رائے شادی جائے پس جہاں تک دنیا کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے۔ آئندہ دنیا میں

اسلام کا مقابلہ

یا جوج اور یا جوج سے اس رنگ میں ہو گا۔ کہ ایک طرف افراد کی حریت قائم کی جائے۔ اور دوسری طرف چیدہ افراد کی قابلیتوں سے فائدہ اٹھانے کا راستہ کھولا جائے۔ مگر یہ اتنا بڑا کام ہے۔ کہ جو اسلام کی حامل یعنی جماعت احمدیہ کی موجودہ قوتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے انسانی نقطہ نگاہ سے ناممکن نظر آتا ہے۔ ان دونوں گروہوں کی پوری شوکت اگر کسی نے دیکھنی ہو تو وہ دنیا کی برتری حاصل کرنے کی کوشش کرنے والی مختلف جماعتوں کو دیکھ لے۔ اور اسے معلوم ہو جائیگا کہ اس وقت مذکورہ بالا دو اصول کلی طور پر دنیا کو تقسیم کئے ہوئے ہیں۔ آدھی دنیا ایک طرف ہے اور آدھی دوسری طرف اور بیچ میں

بے سامان و بیکس جماعت احمدیہ

ہے۔ جو اسلامی اصول کی حمايت میں کھڑی ہے۔ پس اگر اسلامی اصول نے دنیا میں ترقی کرنی ہے۔ تو ہمارے لئے ضروری ہو گا۔ کہ ان دونوں طاقتوں کو ایک درمیانی نقطہ پر جمع کیا جائے۔ اور پھر اسلامی تعلیم کے ماتحت ان کو چلایا جائے۔ مگر ایک ایسی جماعت جسے اپنے مرکز میں بھی اسن حاصل نہیں۔ جسے چھوٹی چھوٹی اقلیتیں

بھی دیا ہے اور ڈرانے کی کوشش کرتی رہتی ہیں جس کی مثال اپنے مخالفین کے مقابلہ میں ایسی ہی ہے۔ جیسے بتیس دانتوں میں زبان ہوتی ہے۔ وہ ان ذہن پرورد اور عظیم الشان طاقتوں کی اصلاح کر سکتی ہے یا نہیں۔ یہ ایک سوال ہے جو ہر شخص کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ اور بنظائر انسانی سامانوں کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ امر بالکل ناممکن نظر آتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے جب بھی کوئی کام لیا ہے ہمیشہ ایسے ہی وجودوں سے لیا ہے۔ جو بنظائر دنیا میں بے کس نظر آتے تھے بنظائر ذلیل اور حقیر نظر آتے تھے۔ بنظائر ناکارہ اور لغو دکھائی دیتے تھے۔ مگر الہی تصرف سے ترقی کر کے وہ ایسی طاقت بن گئے۔ کہ دنیا ان کے کاموں سے حیران رہ گئی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں

جو جدوجہد شروع ہوئی کون کہہ سکتا تھا۔ کہ وہ دنیا پر ایک دن غالب کر رہے گی۔ فرانس کا ایک مشہور مصنف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہوئے اپنی ایک کتاب میں لکھتا ہے۔ ممکن ہے بعض امور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کے متعلق ہمیں شبہ میں ڈال سکتے ہوں۔

حضرت ام المومنین مظلہا العالی کا ارشاد

حضرت ام المومنین مظلہا العالی کا ارشاد ہے۔ کہ صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ ابن حضرت ام المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی صحت کامیابی اور بخیریت واپسی کے لئے تمام احمدی جماعتیں دعا کرتی رہیں۔ نیز انہوں نے جو امتحان دیا ہے۔ اس میں کامیابی کے لئے بھی دعا کی جائے جماعت کا یوں بھی فرض ہے کہ صاحبزادہ صاحب موصوفت کے لئے دعائیں کرے۔ لیکن اب جب کہ حضرت ام المومنین مظلہا العالی کا ارشاد ہے۔ تو خصوصیت سے دعائیں کرنی چاہئیں

مگر ایک چیز ہے۔ جو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کے ساتھیوں میں مجھے نظر آتی ہے۔ اور میں جب بھی اس پر غور کرتا ہوں۔ محو حیرت ہو کر رہ جاتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے عرب کی سرزمین میں ایک مسجد میں جس کی دیواریں گارے کی بنی ہوئی ہیں۔ جس کی چھت پر لکڑیاں نہیں۔ بلکہ سمجور کی شاخیں پڑی ہوئی ہیں۔ اور وہ اتنی کمزور ہے۔ کہ ذرا بارش ہو۔ تو پانی ٹپکنے لگ جاتا ہے اس میں چند آدمی جمع ہیں اور وہ ایسے ہیں۔ جن کے تن پر پورا لباس بھی نہیں اگر بعض کے پاس پاجامے ہیں۔ تو کرتے نہیں۔ اگر کرتے ہیں۔ تو پاجامے نہیں۔ اور اگر کسی کے پاس گرتہ اور پاجامہ بھی ہے۔ تو اس کے سر پر گڑھی نہیں اور اگر کسی کے پاس سر ڈھکنے کے لئے پھٹی پرانی گڑھی ہے۔ تو اُسے جوتی میسر نہیں۔ پھر وہ ان پڑھ ہیں۔ وہ جاہل ہیں۔ وہ دنیا کے کسی علم سے واقف نہیں۔ غرض میں اپنے خیال کی نگاہ میں جب ان کو دیکھتا ہوں۔ تو وہ مجھے چند غریب۔ اور بے کس انسان نظر آتے ہیں۔ وہ ایک کچی مسجد میں بیٹھے ہیں۔ وہ پورے لباس سے بے عاری ہیں۔ وہ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے اور سجدہ میں جھکتے ہیں۔ تو بارش کی وجہ سے ان کی پیشانی کیچڑ میں لت پت ہو جاتی ہے (یہ تمام باتیں احادیث میں لکھی ہوئی ہیں) مگر جب میں قریب ہو کر سنتا ہوں۔ کہ آپس میں وہ کیا باتیں کر رہے ہیں۔ تو میرے کانوں میں یہ آواز آتی ہے۔ کہ وہ ایک دوسرے سے یہ مشورہ کر رہے ہیں۔ کہ ہم کس طرح تمام دنیا کو فتح کر کے اسلام کو غالب کر دیں اور یہ ان کی باتیں جو پاگلوں کی بڑ معلوم ہوتی ہیں۔ بخود سے ہی عرصہ میں پوری بھی ہو جاتی ہیں۔ اور وہ واقعہ میں ساری دنیا پر غالب آجاتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے۔ جب میں یہ بات دیکھتا ہوں تو مجھے ماننا پڑتا ہے۔ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو کچھ کہتے

تھے۔ اپنی طرف سے نہیں کہتے تھے۔ بلکہ کوئی اور زبردست طاقت تھی۔ جو ان سے یہ باتیں کہلاتی تھی۔

آج جو ہماری حالت ہے

یہ بظاہر اُس زمانہ سے اچھی نظر آتی ہے ہماری یہ مسجد پختہ ہے۔ اس کے ستون سمنٹ کے ہیں۔ اس کی چھت پر گار ڈور پڑے ہوئے ہیں۔ اور نمازیوں کے آرام کے لئے بڑے بڑے سائبان لگے ہوئے ہیں۔ غرض اُس زمانہ سے بظاہر ہماری حالت مختلف ہے۔ مگر جو ہمارے دشمنوں کی حالت ہے۔ وہ بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کے دشمنوں کی حالت سے مختلف ہے۔ اور اگر نسبت کے لحاظ سے غور کیا جائے۔ تو ہر شخص کو یہ اقرار کرنا پڑے گا۔ کہ جو حالت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی دشمنوں کے مقابلہ میں تھی۔ وہی ہماری جماعت کی موجودہ زمانہ کے دشمنوں کے مقابلہ میں ہے۔ کیونکہ دنیا میں ہمیشہ نسبت دیکھی جاتی ہے۔ تعداد نہیں دیکھی جاتی۔ اگر ایک روپیہ سے ایک شخص ایک سو روپیہ کا مقابلہ کرتا ہے اور اس کے مقابلہ میں ایک دوسرا شخص ایک سو روپیہ سے دس ہزار کا مقابلہ کرتا ہے۔ تو ان دونوں کا معاملہ بالکل یکساں سمجھا جائے گا۔ کیونکہ جو نسبت ہے۔ وہ قائم ہے۔ یہ نہیں دیکھا جائیگا کہ فلاں کے پاس ایک روپیہ تھا۔ اور فلاں کے پاس ایک سو روپیہ یہ دیکھا جائے گا۔ کہ اس نے ایک سو کا مقابلہ کیا اور اس نے سو سے دس ہزار کا۔ کیونکہ جو ایک اور سو میں نسبت ہے۔ وہی نسبت سو اور دس ہزار میں ہے۔ اور جب نسبت ایک ہے۔ تو دونوں کی ایک ہی حالت ہوتی ہے۔ پس اس میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ بظاہر ہماری حالت اچھی نظر آتی ہے۔ مگر اس کے مقابلہ میں یہ بھی تو دیکھنا چاہیے۔ کہ

احمدیہ جن طاقتوں کا مقابلہ کرنا ہے

ان کی نسبت ہماری طاقت کے مقابلہ میں کیا ہے۔ بے شک ہماری مسجد کی چھت پختہ ہے۔ اس کا فرش بھی پختہ ہے۔ اور اس میں لوگوں کے آرام کے لئے سائبان موجود ہیں۔ مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے دشمنوں کے پاس بھی تو توپیں۔ اور ہوائی جہاز نہیں تھے پھر ان میں کوئی نظام نہیں تھا۔ اس وقت سفر کی سہولتیں میسر نہیں تھیں۔ تار۔ ٹیلیفون۔ اور وائر لیس نہیں تھا۔ پھر ان میں وہ فوجی نظام نہیں تھا۔ جو آج ہے۔ ان کا مالی نظام مضبوط نہیں تھا۔ اور اسی طرح کے اور بہت سے نقص ان میں موجود تھے۔ پس بے شک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسلمانوں کی حالت بہت کمزور تھی۔ اور اس زمانہ میں ہماری حالت بظاہر اچھی نظر آتی ہے۔ مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں۔ کہ دشمن کی جس قدر اس وقت طاقت تھی۔ اُس سے بہت زیادہ آج ہمارا دشمن طاقتور ہے۔ حقیقتاً اگر غور کیا جائے۔ اور اس بے بسی کو بھی دیکھ لیا جائے۔ کہ جماعت احمدیہ جس کے سپرد عظیم الشان کام لیا گیا ہے۔ وہ محکوم ہے جبکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ پر آزاد تھے۔ تو ماننا پڑتا ہے۔ کہ اس زمانہ کا کام اُس زمانہ سے کوئی کم مشکل نہیں بلکہ نسبت ہی قائم ہے۔ جو پہلے تھی۔ لیکن باوجود اس کے کہ اس زمانہ کا کام دنیا ہی ناممکن نظر آتا ہے۔ جیسے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں نظر آتا تھا۔ جس خدا نے اس وقت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا تھا۔ کہ میں تیری تعلیم کو تمام دنیا میں پھیلا دوں گا۔ اسی خدا نے آج حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کہا ہے۔ کہ

میں تجھے کامل غلبہ بخشوگا

اور تیرے تمام دشمنوں کو تیرے مقابلہ میں شکست دوں گا اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جو کام ہوا تھا۔ وہ انسانی کام تھا۔ تو کہا جاسکتا ہے۔ کہ اس زمانہ میں اگر یہ کام ہو بھی گیا تھا۔ تو آج اس کا کوئی امکان نہیں۔ کیونکہ آج انسانی طاقت بہت بڑھی ہوئی ہے۔ لیکن اگر خدا نے وہ

کام کیا تھا۔ اور واقعہ میں اسی نے کیا تھا۔ تو جس خدا میں یہ طاقت تھی۔ کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں کو زیر کر کے آپ کی تعلیم کو تمام دنیا میں پھیلا دے۔ اسی خدا میں آج بھی یہ طاقت ہے۔ کہ وہ ہمارے دشمنوں کو زیر کر کے

احمدیہ کی تعلیم اکناف عالم میں

پھیلا دے۔ اور دنیا کے تمام ادیان پر اسلامی تعلیم کی بجزی اور فوقیت عملی رنگ میں ثابت کر دے۔ پس اس غلبے کا امکان موجود ہے۔ مگر موفد کی نزاکت اور اہمیت ایسی ہے۔ کہ ہم میں سے ہر شخص کی توجہ اس کام کی طرف مبذول ہونی چاہیے۔ اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں ہم میں سے کوئی شخص دیانتداری کے ساتھ احمدی نہیں کہلا سکتا۔ جب تک وہ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے سوتے اوتے جاگتے یہ مقصد اپنے سامنے نہیں رکھتا کہ اس نے دنیا کے تمام تمدنوں کو مٹا کر اسلامی تمدن قائم کرنا ہے۔ اس نے دنیا کے تمام ادیان کو مٹا کر اسلامی اصول کا احیا کرنا ہے اور اس نے اسلام کے تباہ ہوئے قوانین کے مطابق تمام دنیا کو ایک رنگ میں چھلکانا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کی طرف میں ایک عرصہ سے جماعت کو توجہ دلا رہا ہوں۔ مگر مجھے انہوں کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بہت سے دوست جب ہماری جماعت میں داخل ہوتے ہیں۔ تو وہ یہ سمجھ کر داخل ہوتے ہیں۔ کہ صرف چند مسائل کا نئے رنگ میں سمجھنا احمدیت میں داخل ہونے کی غرض ہے حالانکہ چند مسائل کا سمجھنا حضرت مسیح موعود کی بعثت کی غرض نہیں۔ مسیح موعود کی بعثت کی غرض اسلام اور احمدیت کو دنیا کے تمام ادیان پر غالب کرنا ہے۔ مسیح موعود کے آنے کی یہ غرض نہیں۔ کہ صرف تم اُس پر ایمان لاؤ۔ یا میں اس پر ایمان لے آؤں۔ بلکہ میرا اور تمہارا ایمان کیا

۳۱۷
ساری دنیا کا ایمان آنا
بھی مسیح موعود کی بعثت کی غرض نہیں

پس میرے یا تمہارے ایمان لانے سے وہ غرض پوری نہیں ہو سکتی۔ وہ دس کروڑ افراد کے ایمان لانے سے بھی پوری نہیں ہو سکتی۔ وہ ایک ارب لوگوں کے ایمان لانے سے بھی پوری نہیں ہو سکتی۔ وہ ساری دنیا کے ایمان لانے سے بھی پوری نہیں ہو سکتی۔ اگر ساری دنیا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لے آئے۔ مگر وہ تبدیلی پیدا نہ ہو۔ جس تبدیلی کو پیدا کرنا آپ کا حقیقی مقصد اور مدعا تھا۔ تو یہ ہماری فتح کس طرح کہا سکتی ہے۔ ہماری فتح تو اسی وقت ہوگی۔ جب وہ تبدیلی پیدا ہوگی۔ جس تبدیلی کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا۔ پس جب بھی کوئی شخص احدیت میں داخل ہوتا ہے۔ اسے یہ امر اپنے مد نظر رکھنا چاہیے۔ کہ

ہماری غرض

یہ ہے کہ ہم اسلامی تعلیم کو دنیا میں قائم کریں۔ اور باقی تمام تعلیموں کو مٹا کر رکھ دیں۔ ہم نے یہ غرض کبھی نہیں چھپائی۔ ہم حکومت کے وفادار ہیں۔ اور جس حکومت کے ماتحت بھی رہیں گے۔ اس سے وفاداری کرنا نہیں چھوڑیں گے۔ مگر اسلام کے غلبہ کی خواہش جو ہمارے دلوں میں ہے وہ مٹائی نہیں جاسکتی۔ اور نہ کسی میں قوت ہے کہ وہ ہمارے منیر کی حریت کو سلب کرے۔ بلکہ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے۔ یہ کام اتنا اہم ہے۔ کہ اس کے لئے ہمیں بہت بڑی قربانیوں کی ضرورت ہے۔

سب سے پہلی اور کم درجہ کی قربانی

یہ ہے۔ کہ جماعت کے خیالات میں ایک تبدیلی پیدا کی جائے۔ تاہماری جماعت کے ہر نیک ہر بوڑھے ہر مرد اور ہر عورت کے دل میں پوری مضبوطی سے یہ بات گڑ جائے۔ کہ اس کے سپرد کیا کام ہے۔

ہمارا ایک زمیندار

جس وقت ہل چلا رہا ہو۔ جب اس کے تن پر پورا کپڑا بھی نہ ہو۔ جب ایک معمولی تہ بند اس نے باندھا ہوا ہو۔ اس وقت گو وہ ہل چلا رہا ہو۔ مگر اس کے دل میں یہ خیال موجزن ہونا چاہیے۔ کہ وہ کونسا ذریعہ ہے۔ جس کے ماتحت اسلام کا جھنڈا میں دنیا کے تمام لوگوں کے دلوں پر گاڑ سکتا ہوں

ہمارا ایک درزی

جس وقت سوئی چلا رہا ہو۔ جو وقت ہے یہ بھی معلوم نہ ہو۔ کہ آج کی مزدوری میرے بیوی بچوں کے کھانے کے لئے کافی بھی ہوگی یا نہیں۔ یہی خیالات اس کے دل میں بار بار اٹھنے چاہئیں کہ وہ کونسا ذریعہ ہے جس سے کام لیتے ہوئے اسلام تمام دنیا پر غالب آسکتا۔ اور ادیان باطلہ شکست کھا سکتے ہیں۔

ہمارا ایک منقہ

جس وقت شاٹ اٹھائے جا رہا ہو۔ جب اس کے بوجھ کے نیچے اس کی کمر خم ہو رہی ہو۔ اس کے دماغ میں یہ خیالات پیدا ہونے چاہئیں۔ کہ وہ کونسا ذریعہ ہے۔ جن سے کام لیتے ہوئے اسلام کو دنیا پر غالب کیا جاسکتا ہے۔

ہمارا ایک مزدور

جس وقت من دون بوجھ اٹھائے جا رہا ہو۔ جب گرمی کی شدت سے اس کا پسینہ بہ رہا ہو۔ جب اس کا سر بوجھ کے مارے جھکا جا رہا ہو۔ اس وقت بھی اس کے دماغ میں یہ خیالات اٹھنے چاہئیں۔ کہ کن ذرائع سے کام لیتے ہوئے اسلامی تعلیم کا اجیاد ہو سکتا ہے۔ اور وہ کونسا طریق ہیں۔

جن کے ماتحت اسلام کو تمام دنیا پر غالب کیا جاسکتا ہے۔ جب یہ کیفیت ہماری جماعت کے تمام دوست اپنے اندر پیدا کریں گے۔ تو اس کے نتیجہ میں ان کے اندر ایسی روح پیدا ہو جائے گی کہ وہ آستانہ الہی کی طرف تمام دنیا

کو کھینچ کر لے آئیں گے۔ اور جتنی حد ممکن طاقتیں ہیں ان کو کھیل کر رکھ دیں گے۔ مگر ہمارا کچننا تو اردوں سے نہیں۔ بلکہ تبلیغ کے ذریعہ ہوگا۔ ہمارا کچننا تعلیم کے ذریعہ ہوگا۔ ہمارا کچننا ترغیب کے ذریعہ ہوگا۔ ہم لوگوں کے خیالات میں تبدیلی پیدا کریں گے۔ اور اس کے بعد ان کے جموں پر قبضہ کریں گے۔ یہ نہیں ہوگا۔ کہ ان کے جموں پر قبضہ کر کے ان کے خیالات میں تبدیلی پیدا کریں۔ اسی کے لئے میں نے

مختلف شکلوں میں بعض نچمن

قائم کی ہیں۔ مگر غرض صرف ایک ہی ہے۔ اور وہ یہ کہ ان خیالات کو دور کیا جائے۔ جو اسلام کے خلاف دنیا میں پیدا ہو گئے ہیں۔ دنیا اس وقت قسم قسم کے ظلموں کے نیچے دبی ہوئی ہے کوئی کسی فلسفہ کے ماتحت ظلم کر رہا ہے اور کوئی کسی فلسفہ کے ماتحت۔ مگر انسان کی حقیقی راحت کے لئے جو تعلیم اور ترقی کی طرف سے نازل ہوئی تھی۔ اسے لوگوں نے بھلا رکھا ہے۔ پس ہمارا کام ہے۔ کہ ہم اس تعلیم کو دنیا میں رائج کریں۔ اور سب سے پہلے خود اس پر عمل کریں۔ اور پھر دنیا کی بہتری کے لئے آہستہ آہستہ اسے لوگوں میں رائج کریں۔ کئی باتیں بظاہر نہایت چھوٹی نظر آتی ہیں۔ مگر دنیا میں عظیم الشان تغیر پیدا کر دیا کرتی ہیں۔ پہلے لوگ انہیں سنتے ہیں تو ہنستے ہیں۔ مگر بعد میں انہیں اقرار کرنا پڑتا ہے۔ کہ واقعہ میں یہ تعلیم نہایت اعلیٰ درجہ کی ہے۔ اسی وجہ سے میں کچھ عرصہ سے جماعت کے دوستوں کو اس امر کی طرف توجہ دلا رہا ہوں۔ کہ وہ

اسلامی تمدن کے قوانین

اپنے اندر جاری کریں

تا دوسرے لوگ دیکھ کر اندازہ نہ لگائیں کہ اسلامی تمدن کیسا بابرکت اور آرام دہ ہے۔ اس کے متعلق گزشتہ سال سے میں یہ کہتا چلا آ رہا ہوں۔ کہ ہمیں

اپنی تجارتوں میں اپنے لین دین کے معاملات میں اور اسی طرح اور قدرتی اور اقتصادی امور میں اسلامی تعلیم کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارہ میں ایسی ہدایات دی ہیں کہ جن پر اگر عمل کیا جائے تو دنیا میں حقیقی امن قائم ہو سکتا ہے بعض باتیں بظاہر معمولی نظر آتی ہیں۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ اب دنیا کی حکومتیں بھی ان کی طرف توجہ کر رہی ہیں۔ تھوڑے ہی دن ہوئے اخبارات میں ایک خبر پڑھ کر مجھے خوشی بھی ہوئی اور افسوس بھی خوشی تو اس لئے کہ وہ ایک اسلامی تعلیم ہے جس کا اجیاد ہوا اور افسوس اس لئے کہ مسلمانوں نے اس بات کو اسلامی تعلیم سے نہ سیکھا۔ بلکہ صدیوں تک مصیبتیں اٹھانے اور تکالیف برداشت کرنے کے بعد یورپ کے سیکھا۔ حالانکہ وہ تعلیم اسلام میں موجود ہے۔ اور اسی نے سب سے پہلے اسے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ وہ بات یہ ہے۔ کہ ایک دو جینے ہوئے ترکوں نے یہ قانون پاس کیا کہ تمام اشیاء کا ایک ہی طرز ہونا چاہیے تا کوئی دوکاندار سودا ہنگام یا ست خریدت نہ کر سکے۔ بلکہ جب بھی کوئی گاہک کسی دوکان پر جائے۔ اس ضمن میں ہر دوکاندار کو یہ ہدایت کی گئی ہے۔ کہ وہ اپنی دوکان پر تمام چیزوں کی ایک لسٹ بنا کر لٹکا دے۔ اور ہر چیز کے آگے اس کا بھادو درج کرے۔ تا تمام بازار میں ایک ہی چیز پر قیمت ملے۔ یہ نہ ہو کہ کسی سے زیادہ قیمت وصول کر لی جائے۔ اور کسی سے کم۔ اس کی وجہ انہوں نے یہ بتائی ہے۔ کہ بیرونی ملکوں کے لوگ جب ہمارے ملک میں آتے ہیں۔ تو ایک ہی چیز کسی جگہ انہیں کسی قیمت پر ملتی ہے۔ اور کسی جگہ کسی قیمت پر۔ اگر کوئی ہوشیار گاہک ہو۔ تو اس سے کم قیمت لے لیتے ہیں۔ اور اگر کوئی بے وقوف ہو تو اس سے زیادہ پیسے وصول کر لیتے ہیں پھر جب وہ دونوں آپس میں ملتے ہیں

اور ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں۔ کہ یہ چیز کتنے کو خریدی ہے۔ تو ایک کوئی قیمت بتاتا ہے۔ اور دوسرا کوئی ایک کہتا ہے۔ میں نے یہ چیز دو روپے کو خریدی ہے۔ اور دوسرا اسی چیز کے متعلق یہ کہتا ہے۔ کہ میں نے بارہ آنے کو خریدی ہے۔ ایک کہتا ہے۔ کہ میں نے فلاں چیز کے پندرہ روپے دیئے ہیں اور دوسرا کہتا ہے۔ میں نے دس روپے دیئے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ قوم کے اخلاق ان کی نگاہ میں گر جاتے ہیں۔ اور وہ سمجھتے ہیں۔ کہ ترک جھوٹے ہوتے ہیں۔ یورپ میں ایک حد تک اس پر عمل کیا جاتا ہے۔ مگر اس کے ہر ملک میں نہیں۔ بلکہ زیادہ تر انگلستان میں ہی اس پر عمل ہوتا ہے۔ ورنہ اور ممالک میں خواہ وہ یورپ ہی کیوں نہ ہوں۔ قیمتوں کا گھٹنا بڑھنا ہمیشہ نظر آتا ہے انگلستان میں بھی کسی حد تک ہی یہ بات پائی جاتی ہے۔ مگر جو معزز دوکاندار ہیں وہ ہمیشہ اپنی ایشیا کی ایک قیمت رکھتے ہیں۔ اور بعض دوکاندار تو اتنی سختی سے کام لیتے ہیں۔ کہ اگر کوئی گاہک انہیں یہ کہے۔ کہ قیمت ذرا گھٹا دیں۔ تو وہ یہ کہہ دیتے ہیں۔ کہ آپ ہماری دوکان سے چلے جائیں۔ لیکن بہر حال ایشیا کی نسبت یورپ میں اس بات کا زیادہ خیال رکھا جاتا ہے۔ کہ مقررہ قیمتوں پر چیزیں فروخت ہوں۔ مگر تعجب ہے۔ وہ مذہب جس نے اپنے ابتدائی زمانہ سے ہی لوگوں کو یہ تسلیم دی تھی۔ اس کے ماننے والے اتنی بات بھی نہیں جانتے۔ کہ یہ اصل میں اسلامی تعلیم ہے۔ بلکہ وہ اسے

یورپ کی خوبی

خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے مدینہ منورہ میں قیمتوں پر اسلامی حکومت تصرف رکھتی تھی۔ چنانچہ حدیثوں میں آتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دفعہ مدینہ کے بازار میں پھر رہے تھے۔ کہ آپ نے دیکھا ایک شخص حاطب بن ابی بلتعہ المصلی نامی

بازار میں دو بورے سوکھے انگوروں کے رکھے بیٹھے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان بھادو دریافت کیا۔ تو انہوں نے ایک درہم کے دو عدد بتائے۔ یہ بھادو بازار کے عام بھادو سے سستا تھا۔ اس پر آپ نے ان کو حکم دیا۔ کہ اپنے گھر جا کر فروخت کریں۔ مگر بازار میں وہ اس قدر سستے نرخ پر فروخت نہیں کرتے دیکھے۔ کیونکہ اس سے بازار کا بھادو خراب ہوتا ہے۔ اور لوگوں کو

بازار والوں پر ظنی

پیدا ہوتی ہے۔ فقہاء نے اس پر بڑی بحثیں کی ہیں۔ بعض نے ایسی روایات بھی نقل کی ہیں۔ کہ بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس خیال سے رجوع کر لیا تھا۔ مگر بالعموم فقہاء نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک قابل عمل اصل کے طور پر تسلیم کیا ہے اور انہوں نے لکھا ہے۔ کہ اسلامی حکومت کا یہ فرض ہے۔ کہ وہ ریٹ مقرر کرے ورنہ قوم کے اخلاق اور دیانت میں فرق پڑ جائے گا۔ مگر یہ امر یاد رکھنا چاہیے۔ کہ اس جگہ انہی ایشیا کا ذکر ہے۔ جو سنڈی میں لائی جاتی ہیں۔ جو ایشیا سنڈی میں نہیں لائی جاتی۔ اور انفرادی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کا یہاں ذکر نہیں۔ پس جو چیزیں سنڈی میں لائی جاتی ہیں۔ اور فروخت کی جاتی ہیں۔ ان کے متعلق اسلام کا یہ واضح حکم ہے۔ کہ ایک ریٹ مقرر ہونا چاہیے۔ تاکہ کوئی دوکاندار قیمت میں کمی بیشی نہ کر سکے۔ چنانچہ بعض آثار اور احادیث بھی فقہاء نے لکھی ہیں۔ جن سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

اب دیکھو۔ وہ خوبی جو آج ترک یورپ سے نقل کر کے اپنے اندر پیدا کر رہے ہیں۔ وہ اسلام کے ابتدائی زمانہ سے موجود چلی آتی ہے۔ مگر اس کو مسلمانوں نے بھلا دیا۔ اور سمجھ لیا۔ کہ یہ اچھی باتیں یورپ کی ایجاد کردہ ہیں۔ اسی طرح اور ہزاروں باتیں ہیں۔ جن میں اسلام نے ابتداء سے صحیح تعلیم دی ہوئی ہے۔ جن سے ایک طرف افراد کے حقوق کی حفاظت ہوتی ہے۔ تو دوسری طرف

اجتماعی حقوق کی نگرانی

ہوتی ہے۔ وہ ایک درمیانی راستہ بنی نوع انسان کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ انفرادیت کا یہ حق نہیں۔ کہ وہ اجتماعی کو کھیلے۔ اور اجتماعی کا یہ حق نہیں۔ کہ وہ انفرادیت کو کھیلے۔ مثلاً قرآن شریف حکم دیتا ہے۔ کہ لین دین کا معاملہ ہو۔ تو اسے کھلو۔ اب کتنے مسلمان ہیں۔ جو اس پر عمل کرتے ہیں۔ مگر یورپین لوگ سب اس پر عمل کرتے ہیں۔ اور یورپ والوں نے یہ خوبی سپین والوں سے سیکھی ہے۔ جہاں کئی سو سال تک اسلامی حکومت قائم رہی۔ سپین میں جس قدر سودے ہوتے تھے۔ وہ لکھے جاتے تھے۔ اور پرانی اسلامی تاریخ سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس وقت سودے لکھے جاتے تھے۔ یہی قرآن کا حکم ہے۔ اگر اس حکم کو ملحوظ نہ رکھا جائے۔ تو بسا اوقات بعد میں بڑے بڑے جھگڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ تو چھوٹی باتیں ہوں یا بڑی باتیں سب کی سب قرآن کریم میں پائی جاتی ہیں۔ مگر افسوس ہے۔ اس زمانہ میں مسلمانوں نے انہیں ترک کر دیے۔ پس اب یہ ہمارا کام ہے۔ کہ ہم ان تمام باتوں کو دنیا میں رائج کریں۔ کیونکہ کوئی بات ایسی نہیں۔ جس کے متعلق اسلام میں کامل تعلیم موجود نہ ہو۔ ورنہ کے متعلق قرآن کریم میں احکام موجود ہیں

لین دین کے معاملات کے متعلق قرآن کریم میں احکام موجود ہیں۔ مثلاً باہ کے متعلق قرآن کریم میں احکام موجود ہیں۔ سیاسیات کے متعلق قرآن کریم میں احکام موجود ہیں۔ تعلیم و تربیت کے متعلق قرآن کریم میں احکام موجود ہیں۔ شکر کے متعلق استناد سے کیسے تعظیف ہو۔ استاد کے شاگرد سے کیسے تعلقات ہوں۔ بادشاہ کا رعایا سے کیسا سلوک ہو۔ اور

رعایا کا بادشاہ سے کیسا سلوک ہو۔ ان تمام امور کے متعلق اسلام میں نہایت تفصیلی تقسیم موجود ہے۔ اور کوئی شبہ انسانی زندگی کا ایسا نہیں جس کے متعلق احکام موجود نہ ہوں۔ اگر ہم ان تمام احکام پر خود عمل کریں۔ اور دوسروں میں انہیں رائج کریں۔ تو دنیا پر اسلامی حکام کی خوبی خود بخود واضح ہوتی چلی جائے گی۔ ماوراء ایک دن اس بات پر مجبور ہو جائیگی۔ کہ اس طرف کلیتہً آجائے۔ ہمارے راستے میں جو چیز روک رہے وہ یہ ہے۔ کہ ہمارے پاس حکومت نہیں۔ یعنی اگر ہم اسلامی قواعد جاری کریں تو ایک طبقہ ایسا کھڑا ہو جاتا ہے۔ جو یہ کہتا شروع کر دیتا ہے۔ کہ ہم پر ظلم کیا جا رہا ہے۔ اور چونکہ حکومت ہمارے پاس نہیں۔ اس لئے حکومت کے بعض افراد کو بھی دشمن اُکسانے لگ جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ یہ یہی نوع انسان کے حقوق میں مداخلت کر رہے ہیں۔ اور کوئی یہ خیال نہیں کرتا۔ کہ ہم حکومت میں دخل نہیں دینا چاہتے۔ بلکہ شیطان کی حکومت کی جگہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ آخر اسلام کی حکومت اگر دنیا میں قائم ہو۔ تو اس میں میرا کیا فائدہ ہے؟ یا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کیا فائدہ ہے؟ یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا فائدہ ہے؟

۳۱۸

المیوٹیوٹی شہزاد شاعت کا ادارہ ماہوار اردو رسالہ

ہومیو پیتھک مسکیزین

سالانہ چندہ آیات پر چار لاکھ

نمونہ مفت طلب کریں

میجر ہومیو پیتھک مسکیزین ۳۹۹ نمبر ڈولہا پور

اس حکومت کے قیام میں تو خدا کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ خدا جس قدر احکام دیتا ہے۔ اپنے فائدہ کے لئے نہیں دیتا۔ بلکہ لوگوں کے فائدہ کے لئے دیتا ہے۔ اگر ہم ان احکام پر عمل کریں۔ تو آرام و راحت میں رہ سکتے ہیں۔ اور اگر عمل نہ کریں۔ تو اسی دنیا میں ایک عذاب تک رہیں گے۔ چنانچہ قرآن کریم میں بار بار اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ ہم جو احکام بھی دیتے ہیں وہ لوگوں کو نفع پہنچانے کے لئے دیتے ہیں۔ اور اس میں کیا شبہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو درار المورار مہستی ہے۔ جو غنی اور صمد ہے اسے ان باتوں سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے کہ میاں اور بیوی کے تعلقات کیسے ہوں۔ راعی اور رعایا کے تعلقات کیسے ہوں۔ مدعی اور مدعا علیہ کے تعلقات کیسے ہوں۔ اس سے تو سراسر ہمیں ہی فائدہ پہنچتا ہے۔ خدا کو فائدہ نہیں ہوتا۔ پس ضروری ہے کہ ہم نہ اپنے فائدہ کے لئے بلکہ نبی نوح انسان کی فلاح اور بہبود کے لئے اسلامی تعلیم دنیا میں قائم کریں۔ اور ان تمام اصول کو دنیا میں رائج کریں۔ جنہیں اسلام نے ضروری قرار دیا ہے۔ یہی وہ چیز ہے۔ جس کی طرف میں ایک عرصہ سے جماعت کو لارہا ہوں۔ اور بار بار بتا رہا ہوں۔ کہ

ہماری جماعت کے قیام کی غرض

اسلام کی تعلیم کو قائم کرنا ہے۔ جب ہم علی طور پر اس تعلیم کو قائم کر لیں گے اور کوئی ردک ہمارے راستہ میں حال نہیں رہے گی۔ اس وقت ہم کہہ سکیں گے کہ ہم نے اپنے قیام کی غرض کو پورا کر دیا میں نے بتایا ہے کہ اگرچہ اسلامی تعلیم کے بعض حصے ایسے ہیں جو حکومت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ مگر وہ بہت ہی قلیل ہیں۔ ایک کثیر حصہ اسلامی احکام کا ایسا

ہے جسے ہم ہر وقت جاری کر سکتے ہیں کیونکہ خدا نے ہمیں ایسی حکومت عطا کی ہے۔ جس کے بعض افراد کی خواہم کس قدر مذمت کریں یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ اس نے افراد کو ان کے اپنے عقائد کے تعلق بہت کچھ آزادی دی ہوئی ہے۔ اور وہ بہت حقوڑے معاملات میں دخل دیتی ہے۔ یہ انگریزی حکومت میں ایک ایسی خوبی ہے۔ جس کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے۔ گو اسلام میں اس سے بہت زیادہ آزادی حاصل تھی چنانچہ اسلامی حکومت کے زمانہ میں یہودیوں کو اپنے قاضی اور عیسائیوں کو اپنے قاضی مقرر کرنے کی اجازت تھی۔ جو ان کی اپنی شریعت کے مطابق ان کے جھگڑوں کا فیصلہ کرتے اور انہیں تنخواہیں سرکاری خزانہ سے دی جاتیں۔ یعنی تنخواہ انہیں مسلمان حکومت دیتی اور وہ اپنی قوم کے جھگڑوں کا

تورات یا انجیل کے مطابق فیصلہ

کرتے۔ اب انگریزی حکومت میں یہ بات تو نہیں کہ وہ ہمارے قاضیوں کو اپنے خزانہ سے تنخواہ دے۔ مگر ہر حال قاضیوں کے اندر اگر ہم اپنے لئے خود قاضی مقرر کر لیں۔ تو حکومت اس سے روکتی نہیں۔ اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے۔ پس ہم اگر چاہیں تو اس آزادی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلام کی تو سے یا پچانو فی صدی تعلیمات جاری کر سکتے ہیں۔ اسی طرح ہم لین دین اور سودوں کے معاملات میں شریعت کے احکام جاری کر سکتے ہیں بشرطیکہ ہمارے گاہک اور تاجر اس بات پر راضی ہوں۔ کیونکہ حکومت ان معاملات میں دخل نہیں دیتی۔

مشرقی عقائد کا مطالعہ

جو جماعت احمدیہ نے کیا ہے یہ درست نہیں اور کسی کا حق نہیں کہ وہ ایسے معاملات

میں دخل دے۔ اور دوکانداروں کو ہدایت کرے۔ کہ سود وغیرہ نہ دیں۔ مگر اس کے خلاف جب بالاجج کے پاس اپیل کی گئی۔ تو اس نے اپنے فیصلہ میں لکھا کہ یہ بالکل غلط بات ہے۔ اگر کوئی قوم اپنے لئے ایک قانون بناتی ہے تو کسی کا کوئی حق نہیں کہ اس قانون میں دخل دے۔ یہ

برطانوی مروج

جو اس جج سے ظاہر ہوئی یہی ہے جس کا میں پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں۔ کہ برطانوی حکومت میں افراد کی آزادی کی روح پائی جاتی ہے۔ گویا یہ ایک ممتاز نیکی ہے۔ جو اس قوم میں پائی جاتی ہے۔ اور اسی نیکی کے اثر کے ماتحت مذکورہ بالا جج نے یہ فیصلہ کیا کہ جماعت احمدیہ کو یہ حق حاصل ہے۔ کہ وہ قانون شکنی کے بغیر جماعت کی بہتری کے لئے جو قانون چاہے بنائے اور حقیقت یہ ہے کہ ہم اگر اس بات کو سمجھیں۔

کہ اصل فائدہ اسی تعلیم میں ہے جو اسلام نے پیش کی ہے۔ تو وہ دوسرے جو بعض دفعہ اتنی قلب میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور انسان یہ خیال کرنے لگ جاتا ہے۔ کہ اس تعلیم پر عمل کر کے مجھے فلاں نقصان پہنچے گا۔ وہ حقوڑی سی توجہ اور اصلاح سے دور ہو سکتے ہیں۔ مثلاً بددیانتی ہے۔ یہ ایک عیب ہے جو دنیا میں پایا جاتا ہے۔ اسکے ماتحت بسا اوقات ایسا ہوتا ہے۔ کہ نیک بگو سے دس روپے لوٹتا ہے۔ اور عمرو زید سے وہ روپے لوٹ لے لیتا ہے پھر خالد آتا ہے وہ عمرو سے روپے لے جاتا ہے۔ اور اس طرح عملی رنگ میں حساب دہیں اگر سمجھتا ہے۔ جہاں بددیانتی سے پہلے تھا۔ اگر زید۔ بکر۔ عمرو اور خالد سب دیانتداری اختیار کریں۔ تو روپیہ بھی دہیں کا وہیں رہے گا۔ اور مزید فائدہ یہ ہو گا۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ

کی ناراضگی سے محفوظ رہیں گے تمہیں دنیا میں یہ کہیں نظر نہیں آئے گا۔ کہ ٹھاکہ آخر تک کامیاب ہوتا چلا جائے

کھلی اور دھوکہ بازی آخر ایک

دن ظاہر ہو کر رہتی ہے
فرق صرف یہ ہوتا ہے۔ کہ یہ اس سے روپیہ چھینتا ہے۔ اور وہ اس کا روپیہ غصب کر لیتا ہے۔ اگر سب اپنی اپنی جگہ روٹی کھائیں اور دوسرے کے مال کی طرف تخریص کی نگاہوں سے دیکھیں تو انہیں ایک دوسرے کے خلاف کوئی شکایت پیدا نہ ہو۔ مگر اب یہ حال ہے۔ کہ ایک دوسرے سے چھینتا ہے۔ اس سے اگلا چھین لیتا ہے اور اس سے کوئی اور چھین لیتا ہے اور سارے ہی فریادی رہتے ہیں۔ ایک کہتا ہے دنیا کتنی خراب ہو گئی۔ فلاں شخص مجھ سے دھوکہ بازی کر کے اتنا روپیہ لے گیا۔ اور وہ یہ نہیں سوچتا کہ میں نے فلاں کے ساتھ دھوکہ بازی کی تھی۔ اور اس کا اتنا مال میں نے بھی بے جا طور پر غصب کر لیا تھا۔ اسی طرح ایک دوسرے کے خلاف اور دوسرا تیسرے کے خلاف شور مچائے پھر تباہی خلائیہ ان میں سے ہر شخص خود بھی

دھوکہ باز اور مجرم

ہوتا ہے۔ اگر یہ سارے اپنی اپنی جگہ فیصلہ کر لیتے۔ کہ ہم نے بددیانتی سے دوسرے کا مال نہیں لینا۔ تو مالی حالت گو ان کی پھر بھی ویسی ہی رہتی جیسی پہلے تھی۔ مگر زائد فائدہ یہ ہوتا۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور مقبول ہو جاتے اور اسکی نصرت اور تائید اسکے شامل حال رہتی۔ تو اسلامی تعلیم کے رائج ہونے کے ساتھ ہی دنیا کی بہتری ہے۔ اور ہمیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ایمان عطا کیا ہے۔ جنہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے نیکو نظیر ہادی اور

نظیر یونان مشین کپنی رنگ محال ہو ہر قسم کی مشینوں کی مرمت تھوکتا رہ جائی اور اپنی مشینوں کی خرید و فروخت ہوتا ہے

قرآن کریم جیسا بنیظیر ہدایت نامہ
 ملا ہے۔ یہ امر ہمیشہ سوچتے رہنا چاہیے کہ وہ کون سے ذرائع ہیں جن کے ماتحت اسلامی تعلیم کو دنیا میں قائم کیا جاسکتا ہے۔ ہم خود جب قرآن کریم پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اس میں جو کچھ لکھا ہے صحیح ہے۔ تو ہمارے لئے اس امر کا سمجھنا کوئی مشکل نہیں ہوتا کہ ہمارا اولین فرض اسلامی تعلیم کا احیاء ہے کیونکہ ہم جس دن قرآن پر ایمان لائے۔ اسی دن ہم نے اقرار کر لیا کہ ہم اس کا جوا اپنی گردن پر اٹھاتے ہیں۔ اور اس کی تعلیم کو تمام دنیا میں پھیلانے کا عہد کرتے ہیں لیکن اگر اس اقرار اور اس ایمان کے بعد بھی ہم عمل ترک کر دیں۔ اور اپنے فرائض کی ادائیگی کی طرف کوئی توجیہ نہ کریں تو دوسروں پر کیا گلا ہو سکتا ہے۔ پس ہماری جماعت کو چاہیے کہ وہ نہایت سنجیدگی اور اہتمام سے اس کام کیلئے کھڑی ہو جائے۔ یہ مت خیال کرو۔ کہ تم تھوڑے ہو۔ تم دنیا میں کیا کر سکو گے۔ دنیا میں کئی چھوٹی چیزیں ایسی ہیں۔ جو ابتدا میں حقیقت دکھائی دیتی ہیں۔ مگر آخر سب دنیا میں پھیل جاتی ہیں۔ طریق یہی ہے کہ پہلے اسے ایک اختیار کرتا ہے۔ پھر دوسرا اختیار کرتا ہے۔ پھر تیسرا اختیار کرتا ہے۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ تمام لوگ اسے اختیار کر لیتے ہیں۔

حدیث قدسی
 میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی پیارے بندے کی قبولیت دنیا میں پھیلا نا چاہتا ہے۔ تو قریب کے فرشتوں کو بتاتا ہے کہ فلاں شخص میرا محبوب ہے تم بھی اس سے محبت رکھو۔ پھر فرشتوں کو جب معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اوپر کے ملائکہ سے کوئی بات کہی ہے تو وہ ان سے پوچھتے ہیں کہ اللہ میاں نے تم سے کیا بات کہی ہے۔ اس پر وہ بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت رکھتا ہے۔ اور اب ہمارا بھی یہ فرض قرار دیا گیا ہے۔ کہ ہم اس سے محبت کریں۔ ان کی آپس کی باتوں سے اطلاع پاکر جو ادنیٰ

فرشتے ہوتے ہیں وہ اپنے سے اوپر والے فرشتوں سے دریافت کرتے ہیں۔ کہ تم کیا باتیں کر رہے ہو۔ اس پر وہ انہیں بتاتے ہیں کہ فلاں شخص خدا تعالیٰ کا محبوب ہے اور ہمیں اس سے محبت رکھنے کا حکم ملا ہے یہاں تک کہ ہوتے ہوتے زمین کے فرشتوں تک بات پہنچتی ہے۔

فیوضع له القبول فی الارض
 اس شخص کی قبولیت تمام دنیا کے نیک بندوں کے دلوں میں ڈال دی جاتی ہے یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے اس امر کی ایک مثال دی ہے۔ کہ نیکی کے متعلق کبھی یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ وہ تھوڑی ہے۔ اگر تم تھوڑی نیکی بھی کرو گے تو اللہ تعالیٰ اسے بڑھائیگا پھر اور بڑھائے گا۔ یہاں تک کہ تمام دنیا میں وہ پھیل جائے گی۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی تعلیم دنیا کے سامنے پیش کی تھی اس وقت کون کہہ سکتا تھا کہ کسی وقت تمام دنیا اس تعلیم کے آگے اپنے سر کو جھکا دیتی مگر کروڑوں کروڑوں لوگ تو اب بھی اس تعلیم کو نغظا مانتے ہیں۔ اور ہزار سال ایسے گزرے ہیں۔ جبکہ مسلسل کروڑوں لوگوں اس پر عمل کرتے رہے ہیں۔ اسی طرح جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دنیا کے سامنے تعلیم پیش کی تھی۔ کون کہہ سکتا تھا کہ وہ ساری دنیا میں رائج ہو جائے گی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی تعلیم پیش کی تھی کون کہہ سکتا تھا کہ وہ ساری دنیا میں رائج ہو جائیگی جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی تعلیم پیش کی تھی۔ اس وقت کون کہہ سکتا تھا کہ یہ تعلیم ساری دنیا میں پھیل جائیگی مگر آخر یہ تمام تعلیمیں ساری دنیا میں پھیل کر رہیں۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو تعلیم پیش فرمائی ہے اس کے متعلق لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ساری دنیا میں نہیں پھیل سکتی۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ ہم تھوڑے ہیں۔ ہم غریب ہیں ہم دنیا کی نگاہوں میں حقیر اور ذلیل ہیں۔ مگر ہم یہ جانتے ہیں۔ کہ جو چیز ہمارے پاس ہے وہ اتنی اچھی ہے کہ لوگ زیادہ

دیکھیں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اگر ہم اس تعلیم کو اپنی زندگیوں کا دستور العمل بنالیں۔ تو یقیناً دوسرے لوگ بھی اس کو اختیار کرنے پر مجبور ہوں گے۔ اور تو اور ہماری جماعت کے سب سے زیادہ مخالف یہ بیگم صلح سے تعلق رکھنے والے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے افراد ہیں انہیں اٹھتے بیٹھتے ہمیشہ ہماری مخالفت کا خیال رہتا ہے۔ لیکن الفضل میں تم نے کئی بار ایسے مضامین پڑھے ہوں گے اور جو واقف ہیں وہ ذاتی طور پر اس سے بھی زیادہ ہانتے ہیں مگر جو آواز ہمارے مرکز سے اٹھائی جائے۔ سب سے پہلے وہ لوگ اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ مگر سال دو سال کے بعد اسی کی نقل کرنی شروع کر دیتے ہیں۔ پہلے تو انہیں یہ خیال ہوتا ہے۔ کہ شاید ہم مخالفت کر کے انہیں ناکام اور ذلیل کر دیں۔ مگر جب دیکھتے ہیں کہ وہ ناکام اور ذلیل نہیں کر سکے تو آہستہ آہستہ ان کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ کہ یہ کام تو بڑا اچھا ہے۔ اگر ہم نے اسے اختیار نہ کیا تو اس کے فوائد سے ہم محروم رہیں گے۔ اور یہ جماعت ہم سے بڑھ جائے گی۔ چنانچہ وہ پھر اسی کی نقل میں خود وہ کام کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ سچ تو الگ رہا۔ دنیا میں جھوٹ کے طور پر بھی اگر کوئی اچھی بات بتائی جائے تو لوگ اس کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔ عربوں میں ایک مثل مشہور ہے جب انہوں نے یہ کہنا ہو کہ فلاں شخص بڑا حریص ہے تو کہتے ہیں۔ وہ فلاں لڑکے کی طرح حریص ہے۔ کہتے ہیں کہ کوئی لڑکا تھا جو نہایت ہی سادہ مزاج تھا۔ مگر اسے کھانے پینے کا بڑا شوق تھا۔

لڑکے اس سے ہمیشہ ہنسی مذاق کرتے اور اس قدر چھوڑتے کہ وہ تنگ آجاتا۔ اور دن ہو کر اپنا بیچا چھوڑنے کیلئے ان سے کہتا کہ آج فلاں عرب رئیس کے ہاں بڑی بھائی دعوت ہے۔ وہ سمجھتا تھا دعوت کا میں نے ذکر کیا تو یہ تمام لڑکے اور بھگاگ جائیں گے اور مجھے چھوڑ دینگے۔ چنانچہ وہ سب سے چھوڑ کر اس رئیس کے مکان کی طرف چلے جاتے۔ بعد میں اسے خیال آتا کہ میں نے انہیں کہا تو جھوٹ موٹ ہی ہے مگر کیا پتہ شاید واقعہ میں اس نے کسی دعوت کا انتظام کیا ہو یا ہو۔ اس صورت میں یہ تمام لڑکے کھانا کھا کر آجائیں گے اور میں محروم رہ جاؤں گا۔ چنانچہ اس خیال کے آتے ہی وہ خود بھی اس رئیس کے مکان کی طرف دوڑ پڑتا۔ اتنے میں وہ لڑکے غصہ میں بھرے ہوئے واپس آ رہے ہوتے تھے۔ کیونکہ وہاں دعوت تو کوئی ہوتی نہ تھی۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ اسے پکڑ لیتے۔ اور پھر تنگ کرنا اور بیٹنا شروع کر دیتے وہ کہتا اصل بات یہ ہے کہ میں نے تم سے ٹھٹھا کیا تھا۔ اور سچی بات نہیں بتائی تھی۔ اگر سچ پوچھتے ہو۔ تو اس رئیس کے ہاں نہیں بلکہ فلاں رئیس کے ہاں دعوت ہے۔ یہ سنکر تمام لڑکے بھڑکے اور رئیس کے مکان کی طرف بھاگ پڑتے۔ مگر ان کے جانے کے بعد پھر اسے خیال آتا۔ کہ میں نے بات تو یوں ہی کہی ہے۔ لیکن اگر واقعہ میں اس رئیس کے ہاں اتفاقاً کوئی دعوت ہوئی تو پھر میں تو اس سے محروم رہوں گا۔ اور اس کا کیا فائدہ کہ

ہو مہر محبت کا بیج نسبت چوک لامبو
 ماورن میوہ محبت کا بیج نسبت چوک لامبو
 پنجاب میں عملی تعلیم کا بے نظیر کا بیج ہے۔ اس میں قابل و ماہر شائق کے لیکچرر کے علاوہ علمی تجربہ سے بھرپور اور لیبارٹری کا بہترین انتظام ہے۔ داخلہ شروع ہے۔
 پراسپیکٹس ازاں
 ڈاکٹر اے ایم ارورٹہ ایم بی بی ایس پرنسپل طلب کریں۔

319

لڑکوں سے اربھی کھائی اور دعوت سے بھی محروم رہا۔ چنانچہ اس خیال کے آتے ہی وہ خود بھی اس رئیس کے مکان کی طرف بھاگ پڑتا۔ اس حکایت سے ہمیں یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ

اچھی چیز سے شہر خراب نہ لینے کی کوشش کرتا ہے

خواہ وہ خیالی اور وہی ہی کیوں نہ ہو۔ کجا کہ ہم سچ سچ ایک نہایت ہی قیمتی چیز لوگوں کے سامنے رکھ دیں اور وہ اس کو لینے کے لئے تیار ہوں ہمیں اللہ تعالیٰ نے وہ تعلیم دی ہے جس سے بہتر اور کوئی تعلیم نہیں۔ اور ہمیں اللہ تعالیٰ نے وہ کتاب دی ہے جس سے بہتر اور کوئی کتاب نہیں چنانچہ دیکھ لو دنیا اس تعلیم کی مخالفت بھی کرتی ہے۔ مگر آخر چکر کھا کھا کر اسی جگہ پہنچتی ہے جس جگہ اسلام نبی نوح افسانہ کو لانا چاہتا ہے۔ آخر وہ کونسی اسلامی تعلیم ہے جس کی دنیا نے مخالفت کی مگر پھر دوسرے وقت اس نے اس کو اختیار نہیں کیا۔

مسئلہ طلاق

کی یورپ نے اتنی شدید مخالفت کی تھی کہ مسلمانوں نے اس سے متاثر ہو کر ایسی کتابیں لکھنی شروع کر دیں جن میں ظاہر کیا کہ طلاق اسلام میں جائز نہیں۔ یہ پہلے زمانہ کے لوگوں کے حالات کی وجہ سے مجبوراً جاری کی گئی تھی۔ ورنہ طلاق دنیا حقیقتاً جائز نہیں۔ لیکن آج یورپ کے رہنے والے خود طلاق کی ضرورت کو تسلیم کر چکے ہیں۔ اور آئے دن عدالتوں میں طلاق کی درخواستیں پیش ہوتی رہتی ہیں۔ اور عدالتیں اپنے حکم سے طلاق دلواتی ہیں۔ اسی طرح ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کا مسئلہ ہے۔ یورپ نے اس پر ایک لمبے عرصہ تک اعتراضات کئے مگر آج یورپ میں ایک سے زیادہ شادیوں کی تائید میں مضامین لکھے جاتے ہیں۔ اور مضامین لکھنے والے بڑے بڑے فلاسفر ہوتے ہیں۔ اسی طرح

حرمت سو

کی ایک عرصہ تک یورپ نے مخالفت کی اور کہا کہ سو کے بغیر تجارتیں نہیں چل سکتیں۔ مگر آج اسی یورپ میں ایسے لوگ موجود ہیں جو سو کو بین الاقوامی منافشات کی اصل جڑ قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح شراب سے اسلام نے روکا اور مغرب نے اس پر اعتراض کیا مگر آج امریکہ میں شراب کو سخت تائید کیا جاتا ہے۔ بلکہ کچھ سال تو اس نے قانوناً شراب پینے اور فروخت کرنے کی مخالفت کر دی تھی۔ آج ہندوستان میں بھی کانگریس حکومت شراب نوشی کے خلاف زبردست جدوجہد کر رہی ہے۔ حالانکہ

ہندوؤں کی مذہمی کتابوں میں شراب نوشی کی اجازت

پائی جاتی ہے۔ پس بیشک وہ شراب نوشی کو روک رہے ہیں مگر وہ اپنے مذہب پر عمل نہیں کر رہے بلکہ اسلام پر عمل کر رہے ہیں اگر دنیا مسئلہ طلاق کی ضرورت کو تسلیم کرنے کی طرف آ رہی ہے تو یہ بھی اسلام کی تائید ہو رہی ہے۔ اگر وہ تعدد ازواج کی اجازت کی اہمیت کو تسلیم کرنے کی طرف آ رہی ہے تو یہ بھی اسلام کی تائید ہو رہی ہے۔ اگر وہ سو کے خلاف ہو رہی ہے تو یہ بھی اسلام کی تائید ہو رہی ہے۔ اگر وہ شراب نوشی کو روک رہی ہے تو یہ بھی اسلام کی تائید ہو رہی ہے۔ مگر تم میں اور ان میں فرق کیا ہے؟ فرق صرف یہ ہے کہ ان میں سے کسی فریق نے اسلامی تعلیم کا ایک ٹکڑہ لے لیا ہے اور کسی فریق نے اس تعلیم کا دوسرا ٹکڑہ لے لیا ہے۔ مگر تم وہ ہو جنہیں خدا تعالیٰ نے وہ تمام کی تمام تعلیم سے رکھی ہے۔ دنیا اس تعلیم کے ایک ایک ٹکڑے کے لئے لڑائیاں لڑ رہی ہے۔ اور لاکھوں کروڑوں لوگ ایک طرف ہیں اور لاکھوں کروڑوں لوگ دوسری طرف حالانکہ وہ اسلام کی عمارت کا ایک چھوٹا سا ڈرہ ہے۔ مگر تباہی سے پاس ہدایت اور رشد کا عالیشان محل تیار ہے۔ پس تم پر خدا تعالیٰ کا بہت

بڑا فضل ہے۔ اور تمہارا فرض ہے کہ تم اس نعمت کی قدر کرتے ہوئے عملی رنگ میں اسے دنیا میں قائم کرو۔ مگر اس کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے علماء اسلامی تعلیم کو عمدگی کے ساتھ جماعت کے دوستوں پر واضح کریں۔ اور انہیں اس پر عمل کرنے کی رغبت دلائیں۔ آخر ہمارے پاس طاقت تو ہے نہیں۔ کہ جیسے ہٹلر اور مولینی نے اپنے خیالات لوگوں سے منوالے ہیں۔ اسی طرح ہم بھی منوالیں ہم تو جب بھی اپنی باتیں لوگوں سے منوالیں تبلیغ کے ذریعہ منوائیں گے۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ جب ہماری جماعت کے اندر یہ روح پیدا ہو جائے گی۔ اور اسے معلوم ہو جائیگا۔ کہ فلاں فلاں معاملات میں اسلام نے یہ تعلیم دی ہوئی ہے۔ تو اس میں سے ہر شخص نہایت ذوق شوق کے ساتھ اس پر عمل کرنے کے لئے کھڑا ہو جائیگا۔ مرد اپنی جگہ عمل کریں گے۔ عورتیں اپنی جگہ عمل کریں گی۔ اور بچے اپنی جگہ عمل کریں گے اور اس کے ایسے شاندار نتائج نکلیں گے کہ دنیا یہ تسلیم کرے گی۔ کہ اس تعلیم سے بڑھ کر اور کوئی تعلیم نہیں۔ پس ایک طرف یہ

علماء کا فرض

ہے کہ اسلام نے دنیوی معاملات کے متعلق جو وسطی تعلیم پیش کی ہوئی ہے اسے جماعت کے دوستوں پر اچھی طرح واضح کریں۔ صرف وفات مسیح یا ختم نبوت یا صداقت حضرت مسیح صوفی

علیہ السلام کے مسائل پر تقریریں کر دینا ان کے لئے کافی نہیں۔ بلکہ ان کا یہ بھی کام ہے کہ وہ اسلام کے تمدنی اور اقتصادی احکام کا مطالعہ کریں۔ ان پر غور کریں۔ اور جماعت کے دوستوں تک انہیں پہنچائیں۔ اور جماعت کا یہ کام ہے کہ وہ ان مسائل کو سمجھنے کی کوشش کرے مثلاً مجلس خدام الاحمدیہ کے جو ممبر ہیں۔ وہ اگر چاہیں تو اس سلسلہ میں بہت مفید کام کر سکتے ہیں۔ انہیں چاہئے کہ وہ تحریک جدید کے مطالبات کو اور ان تمام مسائل کو جو ان مطالبات کی بنیاد ہیں اچھی طرح سمجھ لیں۔ اور پھر انہیں لوگوں کے سامنے پیش کرنا شروع کر دیں۔ اسی طرح اسلام کے جو مسائل فقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا مطالعہ کریں۔ اور انہیں پھیلانے۔ فالی یہ مسائل نہیں۔ کہ وضو میں اتنی بارگاہ دھونا چاہئے۔ یا اتنی بارگاہی کرنی چاہئے بلکہ وہ مسائل جن کا تعلق فقہ سے ہے انہیں نکالیں اور لوگوں کے سامنے بیان کریں۔ اسی طرح اسلام کے جو اقتصادی احکام ہیں۔ ان کا پہلے خود مطالعہ کریں پھر یہ سوچیں کہ دیگر مذاہب کے احکام پر اسلام کے ان حکموں کو کیا کیا فضیلتیں حاصل ہیں۔ اور جب وہ اپنے معلومات کو مکمل کر لیں۔ تو لوگوں کو ان مسائل سے آگاہ کریں۔ اور

مختلف جگہوں میں لکچر دے کر ہر احمدی کو اس سے واقف کریں۔ اور اسے بتائیں کہ اسلام میں کیسی اعلیٰ تعلیم موجود ہے۔ اگر وہ اس

می کو

می کو "جگر اور طحال کے تمام امراض کا مجرب اور واحد علاج ہے۔ اس کے استعمال سے جگر اور طحال کی ہر قسم کی زرابی دور ہو جاتی ہے۔ معرہ و امعاء کا ضعیفہ۔ کمی اشتہا۔ پرانی بدہضمی قبض دائمی نفخ معده و امعاء۔ بواسیر یا حتی کے لئے بے حد مفید ثابت ہوا ہے۔ علاوہ ازیں تمام وہ جلدی امراض جو بالعموم نظام انہضام کے نتیجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ وہ بھی اس کے باقاعدہ استعمال سے رفع ہو جاتے ہیں۔ اور آلات انہضام صحیح ہو کر خون صالح پیدا کرتے ہیں۔ اور جلدی امراض صلیغ ہو جاتے ہیں۔ قیمت فی شیشی ۱۰/-

ترکیب استعمال۔ پانچ ماشہ دو تین تولہ پانی میں ملا کر کھانا کھانے کے پون گھنٹہ بعد استعمال کریں۔

مینچر ویدک یونانی دواخانہ دہلی

رنگ میں حدود و حد کر کے تمام جماعت کو اسلامی مسائل سے آگاہ کر دیں تو یقیناً جماعت کا ایک کثیر حصہ ان پر عمل کرنے کیلئے تیار ہو جائیگا۔ کیونکہ میرا تجربہ جماعت کے متعلق یہ ہے کہ اس میں ایمان کی روح کی کمی نہیں جس چیز کی کمی ہے وہ یہ ہے۔ کہ چونکہ بہت سے لوگ عربی نہیں جانتے اور اسلامی تعلیم کا بیشتر حصہ عربی میں ہے اس لئے وہ اسلام کی تعلیم سے ناواقف رہتے ہیں۔ اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ اسلام کی ان امور کے متعلق کیا تعلیم ہے۔ تو میں یقین رکھتا ہوں کہ مثنوی میں سے چنانچہ نقصان اٹھا کر بھی اسلام کی تعلیم پر عمل کرنے کیلئے کھڑے ہو جائیں گے۔ کیونکہ ایمان اللہ تعالیٰ کے فضل سے موجود ہے۔ جس چیز کی کمی ہے وہ علم ہے اور میں سمجھتا ہوں یہ ہماری جماعت کی تمام انجنوز کا فرض ہے۔ کہ وہ انہیں اسلامی تعلیم سے آگاہ کریں۔ مثلاً انصار اللہ کی جو جماعتیں مختلف مقامات میں قائم ہیں۔ ان کا صرف یہی کام نہیں کہ وہ تبلیغ کریں۔ بلکہ اپنی جماعت کو اسلام کی تعلیم سے واقف کرنا بھی ان کا کام ہے بعض علوم بیشک ایسے ہیں جو انہیں بوجہ علم کی کمی کے نہیں آسکتے۔ مگر کم سے کم جو باتیں میرے خطبات میں آچکی ہیں۔ ان کے متعلق یہ ان کا فرض ہونا چاہیے کہ وہ انہیں تمام جماعت میں پھیلا دیں پھر صرف انصار اللہ ہی نہیں

مدرسوں کے ہیڈ ماسٹر اور اساتذہ صاحبان کا بھی یہی فرض ہے۔ کہ وہ اپنے لڑکوں میں وہ روح پیدا کریں جو میں جماعت کے تمام دوستوں کے دلوں میں پیدا کرنی چاہتا ہوں۔ ابھی چند دن ہوئے ہمارے زمانہ مدرسہ کے ہیڈ ماسٹر صاحب مجھ ملنے کے لئے آئے۔ اور کہنے لگے۔ کہ میں کیا کام کروں۔ میں نے انہیں بعض ہدایتیں دیں۔ مگر اب میں انہیں بتانا چاہتا ہوں۔ کہ اگر وہ واقعہ میں کوئی ٹکس کام کرنا چاہتے ہیں۔ تو اسلامی تعلیم کے احیاء کے متعلق میرے جس قدر گذشتہ خطبات ہیں وہ نکالیں۔ اور ان کے صفحہ میں سے

سکول کی طالبات کو آگاہ کریں۔ جب وہ واقف ہو جائیں۔ تو پھر وہ اپنی ماؤں کو اپنی بہنوں کو اور اپنے دیگر رشتے دار۔ عمدتوں کو بتائیں کہ ہماری جماعت کے قیام کی اصل غرض کیا ہے۔ یہاں تک کہ تھوڑے دنوں میں ہنگامہ داریاں میں رہنے والا ہر شخص اسلامی تعلیم سے آگاہ ہو جائے۔ اور وہ اپنا سنت کے ساتھ اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔ مگر اب یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی حکم دیا جاتا ہے۔ تو بعض لوگ کہتا شروع کر دیتے ہیں۔ کہ یہ خدا اور اس کے رسول کا خاص حکم نہیں بلکہ ان کا ذاتی استدلال ہے جو سچا مومن ہوتا ہے وہ تو ان باتوں کی پروا نہیں کرتا۔ اور نہ اس قسم کے دس دس سے اپنے ایمان کو متزلزل کرتا ہے۔ وہ صرف یہ جانتا ہے کہ جب ایک شخص ہمارا خلیفہ ہے۔ اور وہ خدا تعالیٰ کا قائم کردہ ہے۔ تو پھر وہ جو حکم بھی دیگا۔ اس پر عمل کرنا ہمارے لئے ضروری ہوگا۔ وہ خدا اور رسول کے خلاف حکم نہیں دے سکتا۔

اصل بات یہ ہے کہ سب لوگ ایمان میں برابر نہیں ہوتے۔ کامل الایمان تو صرف یہ دیکھتے ہیں کہ جو بات ان سے کہی جاتی ہے وہ اچھی ہے۔ اگر ان کی سمجھ میں یہ بات آجائے۔ کہ جو بات ان سے کہی جاتی ہے اچھی ہے۔ تو وہ اسے فوراً قبول کر لیتے ہیں۔ اور سمجھ لیتے ہیں۔ کہ ضرور خدا تعالیٰ کا بھی یہی مشا ہے۔ اور اگر وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھی نہیں تو اس سے رک جاتے ہیں مگر کچھ لوگ ان سے کم ایمان والے ہوتے ہیں۔ اور وہ اچھی بات کے ساتھ کسی اچھے آدمی کی تائید کے بھی محتاج ہوتے ہیں۔ وہ ہر فتوے کسی بڑے آدمی کے موہمہ سے سننا چاہتے ہیں۔ اگر چھوٹا آدمی وہی فتوے سنائے تو وہ اس کی چنداں پروا نہیں کرتے۔ لیکن اگر بڑا آدمی وہی فتوے سنائے تو اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

پس اس قسم کی طبائع رکھنے والے لوگوں کو اگر یہ بتایا جائے کہ فلاں مشہور عالم نے یہ کہا ہے تو وہ کہہ دیتے ہیں۔ اچھا تب تو عمل کرنا ضروری ہوا۔ مگر کچھ لوگ ان سے

بھی کم ایمان کے ہوتے ہیں وہ کسی بہت بڑی آدمی کی گواہی چاہتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ اگر خلیفہ وقت ہدایت کا ذمہ مانتے ہیں وہ نہیں کہیں گے کسی دوسرے کی بات ہم نہیں مان سکتے۔ ایسے لوگوں کو اگر خلیفہ وقت کا حکم سنا دیا جائے تو ان کی تسلی ہو جاتی ہے۔ لیکن بعض لوگ اور بھی ضدی ہوتے ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں خلیفہ وقت کا کیا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کہیں ایسا حکم دیا ہے یا نہیں ایسے لوگوں کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ انہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے احکام بتائے جائیں جب وہ یہ ارشادات سنتے ہیں۔ تو ان کے دل مطمئن ہو جاتے ہیں۔ اور وہ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ جب باقی سلسلہ احمدیہ نے یہی تعلیم دی ہے تو لازماً ہمارا قائمہ بھی اس تعلیم پر عمل کرنے میں ہے۔ مگر کچھ طبیعتیں اس سے بھی اوپر جانا چاہتی ہیں۔ اور وہ کہتی ہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع تھے ہمیں یہ بتاؤ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہیں ایسا حکم دیا ہے ایسے لوگوں کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام احادیث سے نکال کر بتائے جائیں جب ان کے سامنے یہ احکام رکھے جاتے ہیں۔ تو کہتے ہیں بہت اچھا۔ اب تو عمل کرنا ضروری ہوا مگر کچھ طبائع یہاں آکر بھی ضد کرتی ہیں۔ اور کہتی ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہماری طرح ایک انسان تھے۔ تم یہ بتاؤ کہ قرآن میں کہیں خدا نے یہ حکم دیا ہے یا نہیں پس ایسے لوگوں کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ کہ قرآن سے احکام پیش کئے جائیں۔ غرض چونکہ دنیا میں مختلف طبائع ہیں۔ اس لئے ہمیں ہر طبیعت اور ہر مذاق کے انسان کا علاج سوچ لینا چاہیے۔ جو خالص نیک فطرت آدمی ہو اس کے لئے صرف اتنا کہنا ہی کافی ہوتا ہے۔ کہ

میاں یہ بات تمہارے قائمہ کیلئے ہے اور خدا تعالیٰ کے قیام کیلئے تمہارا اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ وہ یہ نہیں دیکھتا کہ یہ بات کسی عالم نے کہی ہے یا خلیفہ وقت نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کہی ہے۔ یا رسول

کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیشک وہ علمی تحقیق بھی کرتا ہے مگر اس کا نفس نیکی کو دیکھتا ہے اس کی طرف راغب ہو جاتا ہے مگر دوسروں کے لئے مویذات کی ضرورت ہوتی ہے۔ بعض دفعہ علماء کی تائید کی ضرورت ہوتی ہے۔ بعض دفعہ خلفاء کی تائید کی ضرورت ہوتی ہے بعض دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تائید کی ضرورت ہوتی ہے۔ بعض دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید کی ضرورت ہوتی ہے اور بعض دفعہ قرآن کریم کی تائید کی ضرورت ہوتی ہے جو بالکل کورا ہوتا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کی تائید نہیں مانتا۔ مگر وہ نہ ہمارا ہے نہ خدا کا بلکہ شیطان کا غلام ہے جس نے اس کی روحانیت کو بالکل سلب کر لیا ہے ایسے کئی آدمی ہوتے ہیں۔ جنہیں احمدیت کی تبلیغ جس وقت کی جاتی ہے تو وہ یہ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ اگر خدا بھی آسمان سے اتر کر ہمیں کہے کہ مرزا صاحب سچے ہیں۔ ہم آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ ایسے آدمیوں کا کوئی علاج نہیں ہوتا۔ مگر جو دوسرے لوگ ہیں انکو سمجھانے کی کوشش کرنا ہمارا فرض ہے۔ اگر کوئی شخص محض اسوجہ سے احکام مان لینے کا عادی ہے۔ کہ ان سے دنیا میں صداقت کا قیام ہوتا ہے۔ تو ہمارا فرض ہے کہ اس پر امر و نہی کر دیں کہ ان حکموں کے نتیجہ میں دنیا میں سچائی قائم ہوگی۔ اگر کوئی علماء کی تائید چاہتا ہے تو ہمارا فرض ہے کہ اس کے سامنے علماء کے اقوال پیش کریں اگر کوئی خلفاء کی تائید چاہتا ہے تو ہمارا فرض ہے کہ اس کے سامنے خلفاء کے اقوال پیش کریں۔ اور اگر کوئی اس سے بھی بڑھ کر حجت چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تائیدی ارشادات کہاں ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے احکام اس کے سامنے پیش کریں۔ اور اگر کوئی اس سے بھی بڑھ کر حجت چاہتا ہے تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اس کے سامنے رکھیں۔ اور اگر کوئی اس سے بھی بڑھ کر حجت چاہتا ہے تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کے سامنے خدا تعالیٰ کے اور اور اس میں ہمارا کوئی حرج نہیں یقیناً سچائی کی تائید ہر ہادق کے قول سے مل جائیگی۔ پنجابی میں ایک مثل ہے کہ

سوسیانے اگومت "مغلند خواہ سوہوں ان کا مشورہ ایک ہی ہوگا۔ غرض جس رنگ میں بھی کوئی شخص مطمئن ہو سکتا ہے ہمارا کام ہے۔ کہ اسی رنگ میں اسے مطمئن کریں۔ اور جس میں کوئی بھی قابلیت نہ ہوگی۔ اور جو نہ علمائے احوال سے مطمئن ہوگا۔ نہ خلفاء کی ہدایات سے مطمئن ہوگا نہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات سے مطمئن ہوگا۔ نہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام سے مطمئن ہوگا۔ اور بالاخر خدا کے ادا کرے بھی مطمئن نہیں ہوگا۔ وہ چنانچہ آدمی ہی نہیں۔ کیونکہ ہمارا دائرہ تو خدا تک چلتا ہے۔ پنجابی کی ایک مثل ہے۔۔۔ کہے ہیں۔ ملا دی دوڑ مسیت تک۔ ہمارا بھی آخری دوڑ خدا تک ہے۔ جو خدا تھامے کی بات ہی نہ سنے تو ہم اسے کہہ دیں گے۔ کہ میاں تمہارا رشتہ اور ہے۔ اور ہمارا اور۔ میں نے کئی دفعہ سنایا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ایک شخص تھے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحن دوست تھے اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی سے بھی دوستانہ تعلقات رکھتے تھے۔ اور چونکہ وہ وہابی تھے۔ اس لئے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی بڑی مدد کیا کرتے تھے ایک دفعہ مولوی صاحب لدھیانہ کے قریب ایک شہر میں گئے اور انہوں نے وہابیوں کی تبلیغ شروع کر دی۔ پھر ایک جلسہ کیا جس میں ان کے خلاف زبردست تقریر کی۔ حنفیوں نے پولیس میں رپورٹ کر دی کہ مولوی صاحب کی تقریر سے فساد کا خوف خطرہ ہے۔ یہ حنفیوں کو گالیاں نکال رہے ہیں۔ اور اگر انہیں روکا نہ گیا تو آپس میں فساد ہو جائیگا۔ اور کشت و خون تک نہایت پہنچ جائے گی۔ مولوی صاحب تو گھبرائے مگر یہ صاحب باوجود ناخوش ہونے کے ذہن تھے کہنے لگے مولوی صاحب آپ جائیں۔ ان لوگوں کو میں سنبھال لوں گا چنانچہ انہوں نے اپنی تقریر کا ملاحظہ کیا اور کچھ دستوں کو مقرر کر دیا کہ تمہارا خیال رکھنا اگر لوگ شکایت کریں اور پولیس آئے تو مجھے اطلاع کر دینا پھر میں دیکھوں گا۔ وہ کس طرح میرے خلاف کوئی بات کرتے ہیں۔ انہوں نے پہلے یہ

پتہ لگایا تھا۔ کہ تمہارا کسک ہے۔ چنانچہ وہ حنفیوں کے خلاف زبردست تقریر کرتے رہے۔ اسی دوران میں ایک آدمی دوڑا ہوا آیا اور کہنے لگا۔ تمہارا صاحب آ رہے ہیں۔ وہ کہنے لگے کوئی پروا نہیں۔ وہ تقریر اس موضوع پر کر رہے تھے۔ کہ الحمد للہ میں کیا کیا خوبیاں ہیں۔ مگر چونکہ لوگوں میں مخالفت کا سخت جوش تھا۔ اس لئے تمہارے میں انہوں نے رپورٹ یہ درج کرادی کہ انہیں روکا جائے ورنہ خون ہو جائیگا۔ کیونکہ یہ ہمیں گالیاں دے رہے ہیں۔ جیسے آجکل ہمارے خلاف لوگ حکومت کو مشتعل کرنے کے لئے کہہ دیا کرتے ہیں۔ کہ احمدی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کرتے ہیں۔ انبیاء کو گالیاں دیتے ہیں۔ اور بزرگوں کی توہین کرتے ہیں۔ انہوں نے بھی پولیس کے پاس اسی رنگ میں رپورٹ کی اور تمہارا صاحب پولیس کی گارڈوں کے پہنچ گئے۔ جو وقت انہیں پتہ لگا۔ کہ تمہارا صاحب لیکچر گاہ میں داخل ہو گئے ہیں۔ تو اپنی تقریر کا رخ بدل کر کہنے لگے۔ مسلمانو! تم میں کتنی خرابیاں پائی جاتی ہیں۔ تم کہلاتے تو مسلمان ہو۔ مگر کام وہ کرتے ہو۔ جو ہندو اور سکھ بھی نہیں کرتے۔ دیکھو سکھ مسلمان نہیں۔ مگر ان میں یہ کتنی بڑی خوبی ہے۔ کہ وہ ڈاڑھی رکھتے ہیں۔ تم لوگ سکھوں کو بڑا کہتے ہو۔ ان کے ہزار عیب نکالتے ہو۔ مگر اتنا نہیں سوچتے کہ تمہاری ڈاڑھیاں تو منڈی ہوئی ہیں۔ اور سکھوں نے اپنے مونہ پر ڈاڑھیاں رکھی ہوئی ہیں۔ پھر خود ہی سوچو کہ سکھ اچھے ہوتے یا تم۔ ہر شخص کہتا ہے۔ کہ تم مسلمانوں سے سکھ ہزار درجے اچھے ہیں۔ پھر دیکھو تم حق پر تھے ہو اور اٹھتے بیٹھتے حق کی نثری تمہارے مونہ میں ہوتی ہے۔ جب کسی سے بات کرنے ہو۔ تو تمہارے مونہ سے حق کی بدبو آتی ہے۔ مگر سکھوں کو دیکھو وہ حق کے قریب بھی نہیں جاتے۔ اور ایک سکھ بھی ایسا نہیں ہے۔ جو حق پر تہا ہو۔ مگر تم ڈاڑھیاں منڈواتے ہو۔ تم حق پر تہا ہو۔ اور پھر کہتے ہو۔ کہ ہم اچھے ہیں۔ تم سے تو سکھ ہزار درجے اچھے ہیں۔ تمہارا یہ سنگ

کہنے لگا۔ میں مولوی صاحب تو بڑی اچھی تقریر کر رہے ہیں۔ پھر وہ کھڑا ہو گیا۔ اور کہنے لگا۔ سنو اگر مولوی صاحب کی تقریر میں کوئی شخص بولا تو میں فوراً اسے ہتھکڑی لگا لوں گا۔ اس کے بعد سپاہیوں کو اس نے ہدایت کی کہ میں تو اب جاتا ہوں۔ مگر دیکھنا مولوی صاحب کے خلاف اگر کوئی ذرا بھی بولے تو اسے ہتھکڑی لگا لیتا۔ یہ کہہ کر وہ تھا کو چل دیا۔ اور وہ جلسہ گاہ سے باہر نکلا اور مولوی صاحب نے پھر اپنا مضمون شروع کر دیا۔ اس وقت مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے مقابلہ میں جو شخص کھڑا تھا۔ وہ اراہین قوم سے تعلق رکھتا تھا اس زمانہ میں عام طور پر اراہین قوم میں یہ رواج تھا۔ کہ ان کی عورتیں شہروں میں جا کر ترکار یاں فروخت کرتی تھیں گو اب خدا کے فضل سے اس میں بہت کچھ اصلاح ہے۔ مولوی صاحب نے اپنی تقریر میں

اراہین قوم سے تمسخر
کرنے شروع کر دیے۔ اور کہا بڑے مولوی بنے پھرتے ہیں۔ حالت یہ ہے۔ کہ ان کی عورتیں مولیوں اور گاجروں کا ٹوکرا سر پر اٹھاتے ہر وقت چکر لگاتی رہتی ہیں۔ اور کہتی ہیں۔ لے لو بھیناں مولیاں کے کو بھیناں گا جراں۔ وہ لوگ پھر وہ دوڑے تمہارا صاحب کے پاس گئے اور کہنے لگے مولوی صاحب ہمیں گالیاں دے رہے ہیں۔ مگر تمہارا صاحب نے کہا۔ تم سب شرارت کر رہے ہو۔ اگر پھر بھی تم نے مولوی صاحب کے خلاف شکایت کی تو میں تم سب کی خبر لوں گا۔ غرض وہ آدمی بڑے ذہن تھے۔ یوں پڑھے لکھے اور عالم نہیں تھے۔ مگر تقریر بہت اچھی کر سکتے تھے اور ان کا ذہن بہت ماف تھا۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعویٰ ماموریت کیا۔ اور لوگوں نے شور مچایا کہ مرزا صاحب کافر ہو گئے ہیں۔ تو وہ کہنے لگے۔ میں مرزا صاحب کو جانتا ہوں۔ وہ قرآن سے باہر نہیں جاتے انہیں کوئی دھوکا لگ گیا ہوگا۔ ورنہ ان کے دل میں قرآن کریم کی جس قدر محبت ہے۔ اس کو دیکھتے ہوتے یہ باہر نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے دیدہ دانستہ خلاف قرآن باتیں کہہ دی ہیں

ضرور انہیں کوئی دھوکا لگا ہے۔ پھر کہنے لگے میں خود قادیان جانا ہوں اور ان سے دریافت کرتا ہوں کہ کیا بات ہے۔ چنانچہ وہ قادیان آئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے آکر کہنے لگے میں نے سنا ہے۔ آپ کہتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ حضرت مسیح موعود نے فرمایا مل میرا یہی دعویٰ ہے۔ وہ کہنے لگے میں تو سمجھتا تھا۔ لوگ جھوٹ کہہ رہے ہیں اور مجھے بڑا یقین تھا۔ کہ آپ قرآن کریم کے خلاف کوئی بات کہتے والے نہیں مگر اب اگر معلوم ہوا۔ کہ لوگ جو کچھ کہہ رہے ہیں۔ وہ سچ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا جیسا نصیب جب قرآن ہی کہتا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ تو میں قرآن کے خلاف کس طرح کوئی بات کہہ سکتا ہوں۔ وہ کہنے لگے اچھا تو آپ قرآن کو مانتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا۔ میں تو قرآن کے ایک ایک حرف اور ایک ایک شوشہ کو قابل عمل سمجھتا ہوں۔ وہ کہنے لگے میں پہلے ہی کہتا تھا۔ مرزا صاحب قرآن کے خلاف کوئی بات نہیں کہہ سکتے۔ ضرور انہیں کسی آیت سے دھوکا لگ گیا ہوگا۔ چنانچہ یہی بات صحیح نکلی پھر کہنے لگے اچھا اگر میں قرآن کریم سے شواہد ایسی آئیں نکال کر لے آؤں جن سے یہ ثابت ہوتا ہو۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں۔ تو کیا آپ وفات مسیح کا عقیدہ ترک کر دیں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا سو کا کیا سوال ہے۔ آپ اگر ایک آیت ہی قرآن کریم سے ایسی نکال دیں جس سے حیات مسیح ثابت ہوتی ہو۔ تو میں اپنے عقیدہ کو بالکل ترک کر دوں گا۔ اس پر انہیں مشبہ پیدا ہوا۔ کہ شاید شواہد آئیں قرآن کریم میں ایسی نہ ہوں۔ اس لئے وہ کہنے لگے اچھا تو نہ سہی اگر پچاس آیتیں لے آؤں تب بھی کیا آپ اپنے عقیدہ کو چھوڑ دینگے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا میں تو کہہ رہا ہوں کہ آپ ایک آیت ہی نکال لائیں میں مان لوں گا۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں۔ آخر ہوتے ہوتے وہ دس آیتوں پر آگئے اور کہا کہ میں دس آیتیں تو ضرور لاؤں گا جن سے حضرت عیسیٰ کی حیات ثابت ہوتی ہو۔ مگر آپ بکا وعدہ کریں۔ کہ قرآن کریم کی آیتیں سننے کے بعد آپ اپنے عقیدہ کو ترک کر دینگے اور لاہور چل کر شاہی

مسجد میں لوگوں کے سامنے توبہ کرینگے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا۔ ہاں میں پختہ وعدہ کرتا ہوں اگر آپ ایک آیت بھی لے آئے تو جس جگہ آپ کہیں گے وہاں پتھر پڑے گا اور وہاں سے لوگوں کا اعلان کر دوں گا یہ منکر وہ خوش خوش لاہور پہنچے۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ان دنوں لاہور تھے۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کو اس وقت جموں میں ملازم تھے مگر آپ بھی اتفاقاً کسی ضرورت پر لاہور تشریف لائے ہوئے تھے۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو چونکہ اپنے علم پر بڑا گھمنڈ تھا اس لئے انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں اشتہار پر اشتہار دینے شروع کر دیے کہ میرا مقابلہ کرو۔ اور پھر سے جب چاہو بخت کرو۔ حضرت خلیفۃ اول رضی اللہ عنہ میں اشتہار شائع فرماتے۔ اس طرح آپ میں خوب اشتہار بازی ہو رہی تھی۔ اور ایک اکھاڑہ سا لگا ہوا تھا مگر شرائط کا تصفیہ نہیں ہوتا تھا مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کہتے کہ حدیثوں کے روسے وفات و حیات مسیح پر بحث ہوتی جاوے اور حضرت خلیفۃ اول رضی اللہ عنہ نے فرماتے کہ قرآن کے روسے بحث ہوتی جاوے آخر جب بہت جھگڑا گیا اور کوئی فیصلہ نہ ہوا تو لوگوں نے حضرت خلیفۃ اول پر زور دینا شروع کر دیا کہ آپ اس شرط کو کچھ نرم کر دیں تاکہ کسی نہ کسی طرح مباحثہ ہو جائے حضرت خلیفۃ اول رضی اللہ عنہ نے فرمایا اچھا قرآن کے علاوہ میں یہ تسلیم کر لینا ہوں کہ بخاری بھی پیش کر دی جاوے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اسپر بڑے خوش تھے۔ اور مجلس میں بیٹھے ہوئے خوب فخر کر رہے تھے کہ دیکھا میں نے مولوی نور الدین کو کیسا رگڑا۔ آخر وہ قرآن کے علاوہ حدیث کی طرف آہی گیا۔ ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ یہ صاحب وہاں چاہنے اور کہنے لگے آپ نے یہ کیا تماشہ بنا یا ہوا ہے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کہنے لگے۔ تماشہ کیا ہے مولوی نور الدین سے میں نے بحث کی اور آخر اسے قابو کر ہی لیا وہ کہنے لگے ان بحثوں کو چھوڑ دینے میں تو سیدھا مرزا صاحب کے پاس گیا تھا۔ اور انہیں اس بات پر تیار کر آیا ہوں کہ وہ ہمیں لاہور میں آکر شاہی مسجد میں سب لوگوں کے سامنے توبہ کرینگے۔ آپ جلدی سے مجھے قرآن کی دہرائیں ایسی لکھ دیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں بس میں جانتے ہی ہاں وہ آئیں ان کے سامنے

پیش کر دوں گا۔ اور انہیں ہمیں لاہور میں لے آؤں گا۔ اور شاہی مسجد میں سب کے سامنے توبہ کر دوں گا۔ مولوی محمد حسین صاحب جو اس وقت اس بات پر خوش ہو رہے تھے کہ میں آخر بڑی جدوجہد کے بعد حضرت مولوی نور الدین صاحب کو حدیثوں کی طرف لے آیا انہوں نے جب یہ بات سنی تو چونکہ مغلوب الغضب آدمی تھے اس لئے غصہ سے لال سرخ ہو گئے اور کہنے لگے۔ تو بڑا جاہل ہے تجھے کس نے کہا تھا کہ تو خود بخود شرائط طے کرتا پھرے میں دو بیٹے بخت کر کے مولوی نور الدین کو حدیثوں کی طرف لایا تھا۔ تو پھر قرآن کی شرط مان آ یا ہے غصے کی حالت میں ان کے موہنے سے جوہنی یہ فقرہ نکلا۔ ان صاحب پر سکتہ طاری ہو گیا۔ اور چونکہ آدمی تھے نیک اس لئے مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور کہنے لگے مولوی صاحب میں اب بات سمجھ گیا میں تو قرآن کی طرف توجہ دے رہا ہوں اور یہ کہہ کر وہاں سے چل دئے۔ اور قادیان آکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کر لی۔ تو حقیقت یہ ہے کہ مومن ادھر ہی جاتا ہے جہر قرآن اسے لے جاتا ہو اور میں سمجھتا ہوں ہماری جماعت میں بچاؤ سے فی صدی بلکہ اس سے بھی زیادہ ایسے مومن خدا تعالیٰ کے فضل سے موجود ہیں جن پر اگر ہم یہ ثابت کر دیں کہ قرآن کا وہی حکم ہے جو ہم بتا رہے ہیں۔ تو وہ اس ان پڑھوں کی طرح ہی کہیں گے کہ جہر قرآن ہے ادھر ہی ہم ہیں غلطی ہماری اور ہمارے علمائے کی ہے کہ وہ پوری طرح لوگوں کو ان مسائل اور تعلیمات سے آگاہ نہیں کرتے تو جس قدر انجنین اور سکول ہیں اگر وہ اپنے فرائض میں یہ امر داخل کر لیں۔ کہ انہوں نے لوگوں کو اسلامی تعلیم سے آگاہ کرنا ہے۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ لوگ مشوق سے ان باتوں پر عمل نہ کریں۔ اگر سکول میں لوگوں اور بچوں کو یہی باتیں بتائی جائیں اور یار یا رہتائی جائیں۔ تو گو کچھ بھی ان میں بعض غلطیاں رہ سکتی ہیں مگر جو آئندہ نسل پیدا ہوگی وہ بہت زیادہ اصلاح یافتہ ہوگی۔ اس کوئی شبہ نہیں کہ تعلیم الاسلام ہائی سکول ایک دینی سکول ہے۔ مگر یہ دینی سکول

قادیان میں قائم کرنے کی غرض یہ ہے کہ لوگوں میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ ایسی روح پیدا کی جائے جس کے نتیجے میں وہ سلسلہ اور اسلام لینے زیادہ سے زیادہ مفید ثابت ہو سکیں پس مدرسہ تعلیم الاسلام کے ہیڈ ماسٹر صاحب اور دوسرے مدرسوں کے ہیڈ ماسٹر اور اساتذہ صاحبان کا یہ فرض ہے کہ وہ اسلام کی ان تعلیموں کو متواتر اور کثرت کیساتھ رکھوں گے ساتھ پیش کریں اور انہیں ان حکمتوں اور فوائد سے آگاہ کریں۔ جو ان تعلیموں میں کام کر رہے ہیں۔ اور ایسے جلسے سکولوں میں کرتے رہیں جن میں انہی مضامین پر لوگوں سے تقریریں کرائی جائیں بیشک وہ لوگوں کو دینی تعلیم بھی دیں اور ضرورت ہے کہ وہ دینی تعلیم دیں۔ کیونکہ یہ امر بھی اور طالب علموں کو کھینچے اور مرکز سلسلہ میں لانے کا موجب ہوتا ہے۔ چنانچہ میں نے دیکھا ہے کہ جب سے سکول کے اساتذہ نے اس طرف توجہ کی ہے ان کے نتائج پہلے سے بہت زیادہ شاندار نکلتے شروع ہو گئے ہیں۔ حالانکہ یہی مدرس اور اساتذہ پہلے بھی تھے۔ مگر چونکہ اب انہوں نے توجہ اور محنت سے کام لے کر شروع کر دیا ہے اس لئے انہیں کامیابی بھی زیادہ ہو رہی ہے۔ اسی طرح اگر وہ دینی معاملات کی طرف توجہ کریں۔ تو یقیناً ہمارے طالب علم جب تعلیم سے فارغ ہو کر نکلیں گے تو اسلام کے جھنڈے کے حامل ہونگے۔ پس یہ دو ٹوکے تو ایسے ہیں کہ اگر ان میں دینا ننداری اور اخلاص کے ساتھ کام لیا جائے تو صدیوں تک تو آپ بے آسختا ہے۔ آخر انٹرنس کے امتحان میں اگر لوگ کے اچھے نکلیں گے تو اس کا ثواب مدرسوں کو اسی سال حاصل ہوگا اور اسکی نیکنامی بھی انہیں اسی سال حاصل ہوگی لیکن اگر وہ اچھے احمدی اپنے سکول سے نکالیں۔ تو اس کا ثواب ان کی دفاتر کے ہزاروں سال بعد بھی انہیں ملتا رہے گا پس خدا تعالیٰ نے ان کیلئے یہ ایک ایسا راستہ کھولا ہوا ہے جس پر عمل کر کے قیامت تک خدا تعالیٰ کے نیک بندوں کی دعائیں حاصل کر سکتے ہیں پھر اس کا نادرہ یہ بھی ہوگا کہ جماعت میں کوئی فتنہ پیدا نہیں ہو سیکے گا فتنہ اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب فتنہ پرانے

یہ سمجھتے ہیں کہ بعض لوگ ہماری باتوں سے متاثر ہو جائینگے۔ لیکن اگر یہ دونوں مدرسے رکھوں اور لڑکیوں میں اسلامی روح پیدا کر دیں نظام سلسلہ کا احترام ان کے دلوں میں پیدا کر دیں اسلام کے احکام کی عظمت ان کے دلوں میں پیدا کر دیں۔ اور انہیں ایک ایسی مہذب و چارہ کی طرح بنادیں۔ کہ کوئی فتنہ ان کے ایمان کو متزلزل نہ کر سکے اور وہ سلسلہ اور اسلام کے کامل عاشق ہوں۔ تو جس قدر فتنہ پرانے ہیں وہ یقیناً مایوس ہو جائیں گے اور ایلیوم بیٹوں لڑکوں کو من دینکے والی حالت نظر آئے لگ جالے گی۔ اس صورت میں وہ مدرس مدرس نہیں ہوگا جو اس رنگ میں اسلام کی تعلیم دیکھا۔ بلکہ دین کا ستون ہوگا۔ اور آئندہ جب لوگ یہ دعا کریں گے کہ اللہم صل علی محمد و علی آل محمد تو آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فرشتے اس مدرس کا نام بھی لکھ لیں گے۔ اور کہیں گے یہ وہ شخص ہے جس کی بردت آج تک دنیا میں تعلیم اسلام قائم ہے پس مدرس بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ درحقیقت وہ ایک خاموش نائب ہے نبی کا وہ دنیا کی نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کی نظر اس پر ہر وقت پڑ رہی ہے اور وہ جانتا ہے کہ اس کے ذریعہ دین کی ترقی ہو رہی ہے اسی طرح ہر جماعت اور بڑی جماعتوں میں ہر لمحہ کے پر بڑھتے اگر کوشش کریں تو وہ اپنے اپنے دائرہ میں مفید کام کر سکتے ہیں۔ انجنین خدام الاصلیہ کے ارکان کو بھی چاہیے خواہ وہ مرکزی انجنین سے تعلق رکھتے ہیں یا بیرونی انجنینوں سے کہ وہ اس سلسلہ میں عملی قدم اٹھائیں۔ اور اپنے نمبروں کو اسلامی تعلیم سے آگاہ کرنے کیلئے ایک پروگرام تیار کریں۔ اور ایسا کوئی مقرر کر سکتا ہے کہ بعد وہ اسلامی مسائل سے بہت فزول آگاہ ہو جائیں۔ پھر ان سے بھرے ہوئے ایک دلائل تاکہ یہ باتیں نہ صرف ان کے ذہن میں پختہ طور پر جم جائیں۔ بلکہ دوسروں کو بھی ان کے مطالعہ سے فائدہ پہنچے۔ اگر وہ اس رنگ میں کام کریں تو سلسلہ کی بہت بڑی خدمت کر سکتے ہیں کیونکہ یہ کام ایسی ایک شخص کا نہیں بلکہ ساری جماعت کا ہے اور جب تک ساری جماعت ملکر کام نہ کرے انفرادی کوششوں سے کام نہیں ہو سکتا۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ اپنے اپنے دائرہ میں مختلف گروہ کام کر رہے ہوں۔ ایک طرف بچوں کی تربیت ہو رہی ہو ایک طرف عورتوں کی تربیت ہو رہی ہو ایک طرف نوجوانوں کی تربیت ہو رہی ہو اور ایک طرف بڑی عمر کے لوگوں کی تربیت ہو رہی ہو اور ایک خطبہ میں اس امر کی طرف زور دلا دیا ہے کہ

میرا خطبہ پڑھ دینا کافی نہیں بلکہ ضروری ہے۔ کہ خطبہ پڑھتے ہوئے کے بعد مختلف آئینیں اس خطبہ کی روح کو لیکر کھڑی ہو جائیں اور لوگوں کو اس کے مطابق تیار کرنا شروع کر دیں۔ پھر ان سے جو چیزیں آئینیں ہیں۔ وہ کام شروع کرنا پھر مدرسوں کے اساتذہ زور دینا شروع کر دیں۔ پھر گھروں میں ماں باپ سمجھانا شروع کر دیں۔ غرض جس جس دائرہ میں کوئی شخص کام کرتا ہے۔ اس دائرہ میں وہ لوگوں کو سمجھانا اپنا فرض قرار دے لے جب اس رنگ میں ہماری جماعت کے تمام افراد کام کریں گے۔ تب وہ دن آئیگا جب اسلامی تعلیم عملی رنگ میں دنیا میں قائم ہو جائے گی عربوں کو اس سلسلہ میں بہت آسانی تھی ان کی زبان بھی عربی تھی۔ اور قرآن کریم بھی عربی زبان میں نازل ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ وہ بہت جلد اسلامی تعلیم سے آگاہ ہو گئے مگر ہمارے لئے یہ مشکل ہے کہ ہماری جماعت کا ایک کثیر حصہ عربی زبان سے ناواقف ہے۔ اس وجہ سے چند لوگ جو عربی جانتے ہیں۔ وہ تو (بشرطیکہ

ان میں تقویٰ ہو۔ اسلامی مسائل کی اہمیت کو سمجھ جاتے ہیں۔ مگر باتی نہیں سمجھتے۔ پس یہ عربی جاننے والوں کا فرض ہے۔ کہ وہ دوسروں کو ان مسائل سے آگاہ کریں بلکہ ہماری کوشش یہ ہونی چاہئے۔ کہ ہماری جماعت میں سے ہر شخص کو قرآن کریم کا ترجمہ آتا ہو۔ اس کے لئے اگر مجلس خدام الاحمدیہ سرکلہ نائٹ سکول کھول دے۔ اور ان لوگوں کو جنہیں قرآن کریم کا ترجمہ نہیں آتا۔ ترجمہ پڑھانا شروع کر دے۔ تو یہی ایک ایسی خدمت ہوگی۔ جو انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کا مستحق بنا دیگی۔ اگر قادیان کا بچہ بچہ قرآن کریم کا ترجمہ جانتا ہو۔ تو یقیناً دنیا کا کوئی شہر اس خوبی میں قادیان کا مقابلہ نہیں کر سکیگا جتنی کہ عرب کے شہر بھی اس خوبی میں قادیان کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ کیونکہ عرب بھی سارے سارے قرآن پڑھے ہوتے نہیں ہوتے۔ پس اگر مجلس خدام الاحمدیہ صرف اتنا کام کرے کہ وہ ان لوگوں کو جنہیں قرآن کریم کا ترجمہ نہیں آتا۔ نائٹ سکول قائم کر کے دنا کر جو لوگ دن بھر اور کاموں میں مشغول رہتے ہیں۔ وہ بھی اس میں شامل ہو سکیں

ترجمہ پڑھا دے۔ تو میں سمجھتا ہوں۔ وہ اپنے لئے بہت بڑی برکت کا ذخیرہ جمع کر سکتی ہے پس میں جماعت کو توجہ دلانا ہوں۔ کہ تمہارے سامنے جو کام ہے۔ وہ کوئی معمولی کام نہیں دنیا کی تمام طاقتوں کو ملنا کر اسلامی تعلیم کا از سر نو اچھا تمہارا فرض ہے۔ اور تمہارا کمزور کندھوں پر ایک عظیم الشان بوجھ لادنا ہے اس کے لئے جب تک تمام افراد مل کر کوشش نہیں کریں گے اور احکام اسلامی کے اجراء میں ہمارے ساتھ تعاون نہیں کریں گے اس وقت تک یہ کام نہیں ہو سکیگا۔ دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کلکد سماج و کلکد مسئلہ عن رعیتہم کہ تم میں سے ہر شخص بادشاہ ہے اور تم میں سے ہر شخص سے اپنی اپنی رعیت کے متعلق سوال کیا جائیگا۔ یہاں تک کہ ہر ایک بڑا آدمی بھی اپنی جگہ بادشاہ ہے۔ اور اس سے اپنے بیوی بچوں کے متعلق سوال کیا جائیگا کہ اس نے انہیں کہاں تک اسلامی تعلیم سے آگاہ کیا۔ گویا اسلام نے ہم میں سے ہر شخص کو آواز دی ہے۔ اور جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ کلکد سماج و کلکد مسئلہ عن رعیتہم تو گویا دوسرے لفظوں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ قیامت کے دن میں

میری امت میں ہر قسم کے لوگ موجود ہیں اور انہیں اپنے اپنے دائرہ میں مختلف قسم کی بادشاہتیں حاصل ہیں۔ میں ان سب کو پکارتا اور آواز دیتا ہوں۔ کہ آؤ اور اسلام کے قیام میں میری مدد کرو۔ کیونکہ قیامت کے دن میں تم سے پوچھو لگا۔ کہ تم نے اسلام اور ایمان پھیلانے کے لئے کیا کیا۔ ایک سٹیڈ ماسٹر اپنے سکول کا بادشاہ ہے۔ اور قیامت کے دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے یہ سوال کریں گے۔ کہ تم نے اپنی رعایا میں جو طالب علم تھے۔ اسلام پھیلانے کیلئے کیا جدوجہد کی۔ ایک جماعت کا پریذیڈنٹ اپنی جماعت کا حاکم ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ کلکد مسئلہ عن رعیتہم تم میں سے ہر شخص سے اپنی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائیگا۔ پس جماعت کے پریذیڈنٹ سے بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن پوچھیں گے۔ کہ اے فلاں جماعت کے پریذیڈنٹ تو نے اپنے شہر یا محلہ میں میری تعلیم جاری کرنے کی کیا کوشش کی۔ اسی طرح ہر قائد بادشاہ ہے۔ اور اسکی بیوی اور اسکے بچے اسکی رعایا ہیں۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ قیامت کے دن میں

ریل روڈ مشترکہ واپسی ٹکٹ

مسری گنڈ کشمیر امری۔ ڈلہوزی۔ منڈی اور سلطان پور دکنو ایکم اپریل ۱۹۲۸ء سے این۔ ڈبلیو۔ آر کے تمام اہم سٹیشنوں پر مندرجہ بالا مقامات کے لئے ریل۔ روڈ مشترکہ واپسی ٹکٹوں کے ذریعہ براہ راست بکنگ کے لئے سہولتیں جہاں ہیں۔ نیز ای آئی۔ جی۔ آئی۔ پی۔ بی۔ بی اینڈسی۔ آئی اور بی۔ این۔ ڈبلیو۔ ریلوے کے بعض سٹیشنوں سے بھی کشمیر کے لئے ریل روڈ مشترکہ واپسی ٹکٹ مل سکتے ہیں۔

پمفلٹ جس میں تمام تفصیل موجود ہیں۔ مندرجہ ذیل پتہ سے طلب کریں۔

ایجنٹ این ڈبلیو آر لاہور

اللہ علیہ وسلم نے کرنا ہے۔ اور تمہیں قیامت کے دن اس کا جواب دینا پڑیگا پس پیشتر اس کے کہ اس سوال کا وقت آئے تم میں سے ہر شخص کو اسکے جواب کیلئے تیار رہنا چاہئے۔

پسوں پر بادشاہ ہے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے یہ دریافت کریں گے۔ کہ اے ان تو بتا کہ میری تعلیم پھیلانے کے لئے کیا کوشش کی۔ پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس آواز کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھو۔ کیونکہ یہ سوال ہے۔ جو تم سے ابوالکلیع محمد ابن ابی قحافہ نے فرمایا تھا۔ اور ان کا جواب یہ ہے۔ کہ میں نے اپنی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائیگا۔ پس جماعت کے پریذیڈنٹ سے بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن پوچھیں گے۔ کہ اے فلاں جماعت کے پریذیڈنٹ تو نے اپنے شہر یا محلہ میں میری تعلیم جاری کرنے کی کیا کوشش کی۔ اسی طرح ہر قائد بادشاہ ہے۔ اور اسکی بیوی اور اسکے بچے اسکی رعایا ہیں۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ قیامت کے دن میں